الرّدالمفحم علیٰ فهم تقی عثمانی فیما کتبه فی السیاسة الشرعیّة

اسلامی نظام سیاست کے باب میں مفتی تقی عثمانی صاحب کے نظریات کا مدلل رد

مجھے ہے حکم آذاں

لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ

مؤلف

شیخ محمد عیسیٰ انصاری

نظر ثانی

مولانا منصور احمد فاروقی

اسلامی لائبریری

الرّدالمفحم علیٰ فھم تقی عثمانی فیما کتبہ فی السیاسۃ الشرعیّۃ

اسلامی نظام سیاست کے باب میں مفتی تقی عثمانی صاحب کے

نظریات کا مدلل رد

مجھے ہے حکم آذاں

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

مؤلف

شیخ محمد عیسیٰ انصاری

نظر ثانی

مولانا منصور احمد فاروقی

کتاب کا نام: مجھے ہے حکم آذاں لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ

مؤلف: شیخ محمد عیسیٰ انصاری

نظر ثانی: مولانا منصور احمد فاروقی

طبع اول: ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ - مارچ ۲۰۱۱

طبع دوم: جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ - مئی ۲۰۱۱

طبع سوم: رجب المرجب ۱۴۳۲ھ۔ جون ۲۰۱۱

تعداد: طبع اول تا سوم......... ۳۰۰۰

ناشر: مکتبہ فہم قرآن والسنۃ، اردو بازار، لاہور

انٹرنیٹ ایڈیشن: مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

ویب سائٹ: http://muwahideen.co.nr

ای میل: mailto:help@tawhed.webege.com

ان عظیم المرتبت "عدول" ہستیوں کے نام
جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا

((یحمل(وفی روایۃ یرث)ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین المبطلین وتاویل الجاھلین))

(کنزالعمال،ج:۱۰ص:۱۷۶رقم:۲۸۹۱۸،۲۸۹۱۹۰۔سنن البیھقی الکبری،ج:۱۰ص:۲۰۹)

"اس علم (شرعی کے بوجھ) کو بعد میں آنے والوں کا صرف عدول حصہ ہی اٹھائے گا (اور ایک روایت میں ہے کہ اس علم کا وارث ہو گا)۔جو اس علم (شرعی) سے متعلق غالیوں کی تحریف اور اس کو باطل بنا کر رکھ دینے والوں کی تبدیلی اور جاہلوں کی جانب سے غیر حقیقی تاویلوں کا خاتمہ کریں گے"۔

''اسلام صرف عبادات کا نام نہیں بلکہ وہ تمام مذہبی، تمدنی، اخلاقی اور سیاسی ضرورتوں کے متعلق ایک کامل اور مکمل نظام رکھتا ہے. جو لوگ موجودہ زمانے کی کش مکش میں حصہ لینے سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور صرف حجروں میں بیٹھے رہنے کو اسلامی فرائض کی ادائیگی کے لئے کافی سمجھتے ہیں وہ اسلام کے پاک وصاف دامن پر ایک '' بد نما داغ'' لگاتے ہیں''۔

''بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہرے پر نماز کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا جلد اٹھو اور اس امت مرحومہ کو کفار کے نرغے سے بچاؤ تو ان کے دلوں پر خوف وہراس طاری ہو جاتا ہے۔ خدا کا نہیں، بلکہ چند ناپاک ہستیوں کا، اور ان کے سامانِ حرب وضرب کا خوف طاری ہو جاتا ہے''۔

(اسیر مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ)

فہرستِ مضامین

﴿باب سوم﴾ طاغوت کا شرعی مفہوم

﴿باب چہارم﴾ قرب قیامت ظہور پذیر ہونے والے عظیم فتنے

حرف آخر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف اوّل

سقوطِ خلافت کے بعد دورِ حاضر کے عظیم فتنوں میں سے سب سے بڑا فتنہ ایسے حکمرانوں کا عرب و عجم کے بلادِ اسلامیہ پر حکومت کرنا ہے جن کا عامۃ المسلمین پر ظلم واستبداد کے پہاڑ توڑنا اپنی جگہ، مگر اس سے بڑھ کر اللہ کی نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کر اپنے یا دوسروں کے وضع کردہ قوانین کا نفاذ کرنا ہے۔ اس کے علاوہ ہر ایسے موقع پر جب یہود وہنود اور نصاریٰ مسلمانوں کے قتل عام کرنے کا ارادہ کریں تو ان کو لاجسٹک سپورٹ فراہم کرنے، اپنی فضاء اور بحر وبر ان کے حوالے کردینے اور مسلمان مرد وخواتین کو چند ڈالروں کے عوض یہود ونصاریٰ کے حوالے کردینے جیسے کافر ومرتد بنادینے والے افعال میں مبتلا ہونا، آج کسی سے پوشیدہ نہیں۔

ایسے موقع پر علماء دین کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ کھڑے ہوتے اور دین اللہ کو منہدم کرکے زمین پر فساد برپا کرنے والے کفروارتداد کے مرتکب حکمرانوں کو ہٹاتے اور ان کی جگہ امام عادل کا تقرر کرکے خلافت اسلامیہ کا قیام کرتے، مگر آج علماء وقت (یعنی علمائے سوء) جن میں بڑے بڑے شیخ التفسیر وشیخ الحدیث، فقیہہ ومحقق، ومربی ومزکی اوران کے علاوہ نام نہاد اسلامی دانشوروں اور محققین کی اکثریت (سوائے چند علمائے ربانی کے جن کو اللہ نے اپنے فضل وکرم سے اس فتنے سے محفوظ رکھا ہے) شامل ہے جو ''امام جائز'' یعنی ظالم وجابر حکمرانوں سے بڑھ کر ''آئمۃ الکفر'' (کفر کے امام) ثابت ہونے والے ان طواغیت کیلئے نہ صرف ''حق ولایت'' کے جواز بلکہ ان پر ''خلیفۃ المسلمین'' کے احکامات لاگو کرنے کے دلائل گڑھتے ہیں اور دوسری طرف ان کے خلاف کھڑے ہونے والے اہل ایمان پر گمراہ، خارجی اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے کے فتاویٰ جاری کرتے ہیں اور عامۃ المسلمین کو بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے اوراپنے سروں پر مسلط طواغیت، جن کے کفر کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا تھا:

﴿وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ﴾[1]

"اور انہیں اس (طاغوت) کے کفر کا حکم دیا گیا تھا"۔

ان کی اطاعت قبول کئے رہنے اور ان ہی کے وضع کردہ قوانین کے مطابق فیصلے قبول کرنے کے درس دیتے ہیں۔ حالانکہ ان طواغیت کا انکار کرنا قرآن کریم کے نزدیک ایمان کا جزو لاینفک ٹھہرا ہے:

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾[2]

"جس نے طاغوت کا کفر کیا اور اللہ پر ایمان لے آیا تو اس نے مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔"

اور سلف وصالحین نے مذکورہ آیت کی تفسیر کو کلمۂ توحید سے تعبیر کیا ہے:

"وھذا ھو معنیٰ لااله الاالله"[3]

"اور یہی معنی ہے لا الہ الا اللہ کے"

"وافترض الله على جميع العباد ،الكفر بالطاغوت والايمان بالله"[4]

---

[1] النسآء:60

[2] البقرة : 256

[3] الاصول الثلاثة وادلتها:ص55، للشيخ محمد بن سلمان التميمی رحمة الله عليه.

[4] (الاصول الثلاثة وادلتها:ص51، للشيخ محمد بن سلمان التميمی رحمة الله عليه.

”فرض قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں پر یہ کہ وہ طاغوت کا کفر کریں اور اللہ پر ایمان لائیں“

لیکن اس اہم فریضے سے منہ موڑنے کے باوجود، علمائے وقت کو ہدایت یافتہ اور کامل ایمان پر ہونے کا زعم کوسوں دور گمراہی کی طرف لے گیا ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾[1]

”کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو یہ زعم ہے کہ جو کچھ آپ پر اور آپ سے پہلے نازل ہوا ہے اُس پر ایمان رکھتے ہیں، مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنا مقدمہ طاغوت کے پاس لے جا کر فیصلہ کرائیں حالانکہ ان کو اس سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور شیطان ان کو دور کی گمراہی میں ڈالنا چاہتا ہے“

اور ایسے ہی علماء جن کے بارے میں آپ ﷺ نے نشاندہی ان الفاظ فرمائی:

((أَيُّ شَيْءٍ أَخْوَفُ عَلَى أُمَّتِكَ مِنَ الدَّجَّالِ؟ قَالَ: الأَئِمَّةَ الْمُضِلِّينَ))[2]

”(کسی نے پوچھا) دجال سے بھی زیادہ آپ کو اپنی امت پر کس چیز کا ڈر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا گمراہ کرنے والے اماموں کا“۔

[1] النسآء: 60.

[2] مسند احمد ج: 5 ص: 145.

حقیقت یہ ہے کہ وہ مرض جو ان آئمۃ المضلین میں پوری شدت کے ساتھ آج سرائیت کر گیا ہے وہ نیا نہیں بلکہ یہ ایک قدیم بیماری جس کو "فتنۂ ارجائیت" کہا جاتا ہے، جس کی رو سے "جو شخص بھی کلمہ پڑھ لے پھر اس کے بعد چاہے اس سے کسی بھی قسم کے افعال کفر وارتداد کا ظہور ہو، بس دل میں اس کو اچھا نہ جانے، وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو گا"۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس کے حاملین کو "مرجئہ" کہا جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وعن انس بن مالك قال قال رسول اللهﷺ صنفان من امتی لایردان على الحوض ولا يدخلان الجنة، القدرية والمرجئة))[1]

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے دو گروہ حوضِ کوثر پر نہ آسکیں گے اور نہ جنت میں داخل ہو سکیں گے، قدریہ اور مرجئہ"۔

اور جس فتنہ کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے نضر بن شمیل رحمۃ اللہ علیہ کا کیا ہی خوبصورت قول نقل کیا ہے:

"یہ وہ دین ہے جو بادشاہوں کو پسند ہے اور وہ اس کے ذریعے دنیا کماتے ہیں اور اپنے دین کو ناکارہ کر دیتے ہیں"۔

یہ وہ سلسلہ ہے جو گزشتہ کئی دہائیوں پہلے عالم عرب میں بڑے شدو مد کے ساتھ شروع ہوا تھا۔ جہاں شریعت کے بنیادی نصوص کو پسِ پشت ڈال کر باطل تاویلات، محمل کلام اور مشتبہ باتوں کے ذریعے امام جائر سے بڑھ کر کفر کے امام ثابت ہونے والے عالم عرب کے طاغوتی حکمرانوں کو امام

[1] الطبرانی فی الاوسط رجاله رجال هرون بن موسى الفروی وهو ثقة، مجمع الزوائدج:7ص:207

عادل کا درجہ دینے کے لئے ان کی ولایت کے بھونڈے دلائل گڑھے گئے، لیکن صد افسوس یہ دلائل گھڑنے والے وہ لوگ تھے جن کے علم و فضل کی دنیا معترف تھی.........!

مگر اللہ رب العزت ان علماء عرب کی قربانیوں کو قبول فرمائے کہ جنہوں نے جیلوں اور عقوبت خانوں میں جانا تو قبول کیا (جیسے شیخ ابو محمد عاصم المقدسی فک اللہ اسرہٗ وغیرھم) یا جنہوں نے تختہ دار پر چڑھ جانا تو پسند کیا (جیسے سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ وغیرھم) لیکن کلمہ حق کہنے سے کبھی نہ چوکے اور عالم عرب کے اُن علماء سوء کا رَد بدلیل و برھان کیا، جنہوں نے ظلم فسق کے ساتھ حکمرانی کے احکامات کو کفر وارتداد کے ساتھ حکمرانی کے احکامات کے ساتھ خلط ملط کر دیا تھا اور کفر وارتداد کے مرتکب حکمرانوں کی ولایت کو "سندِ جواز" دینے کے لئے "حکمت و مصلحت" کے نام پر ایسے ایسے قبیح دلائل گھڑے جو ان حکمرانوں کے بھی خواب و خیال میں ممکن نہیں تھے۔

اب یہی مہم کچھ عرصے سے بڑے زور شور کے ساتھ برصغیر پاک و ہند میں شروع ہوگئی ہے، اور اسکرپٹ وہی ہے جو کہ عالم عرب کے حکمرانوں کے دروازوں پر چکر کاٹنے والے دین فروش علماء کا تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ انہوں نے عربی میں کلام کیا تھا اور ہمارے محققین اور دانشور اس کا چربہ اردو زبان میں قوم کے سامنے انزل من اللہ بنا کر پیش کر رہے ہیں۔

﴿وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾[1]

"اور ان لوگوں میں بعض ایسے ہیں کہ کتاب (یعنی احکام شریعت) کو زبان مروڑ مروڑ کر پڑھتے ہیں تا کہ تم سمجھو کہ جو کچھ وہ پڑھتے ہیں وہ کتاب میں سے ہے، حالانکہ وہ کتاب میں

[1] آل عمران:78.

سے نہیں ہوتا اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے (نازل ہوا حکم) ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا اور اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور حالانکہ وہ (اصل حکم) کو جانتے بھی ہیں۔

اگر صرف یہ کام نام نہاد جدید محققین اور مغرب زدہ دانشور کر رہے ہوتے تو اتنی سنگین صورتحال پیدا نہ ہوتی جتنی کہ سکہ بند کہلانے والے علماء کی طرف سے محکم دلائل وبرھان کو باطل اور رکیک تاویلات سے بدل کر ظلم و فسق سے بڑھ کر کفر وارتداد کے مرتکب حکمرانوں کے آگے عوام کو ''بحالت مجبوری'' سر تسلیم خم کئے رہنے اور اسی پر مطمئن رہنے کے دروس دیئے جارہے ہیں۔ جیسا کہ شیخ ابو محمد عاصم المقدسی فک اللہ اسرہ، اپنی کتاب ''مرجئۃ العصر'' فرماتے ہیں:

''میرا گمان تھا کہ یہ باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو دین کے معاملے میں لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں (جیسے مغرب زدہ دانشور و محققین لیکن افسوس!) میں نے یہاں تک دیکھا کہ عالم اور داعی کہلانے والے اور عوام وخواص میں مقبول، بعض حضرات بھی اس قسم کی کمزور اور دلائل سے یکسر عاری رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ دراصل یہ علماء اور دین کے مبلغ کہلانے والے، مرتد اور گمراہ حکمرانوں کا دفاع کرنا چاہتے ہیں''۔[1]

پاکستان جو کہ مملکت خداداد تھا جس کو اب ''جمہوریہ'' بنادیا گیا ہے، اس کے موجودہ وقت کے مفتی اعظم کے بھائی[2]، جن کے علم و فضل کا ڈنکا پوری دنیا میں بج رہا ہے اور جن کی اسلامی معیشت پر ظنی موشگافیوں کی بدولت آج برصغیر پاک وہند میں ''نام نہاد اسلامی بینکاری'' کا شجرِ زقوم چہار سو پھلتا پھولتا نظر آرہا ہے، ان کی جانب سے بھی اسی قسم کی آراء اور نظریات کا اظہار کیا جارہا ہے۔ چناچہ وہ اپنی کتاب ''اسلام اور سیاسی نظریات'' میں لکھتے ہیں:

---

[1] امتاع النظر فی کشف الشبہات مرجئۃ العصر.

[2] مراد ہیں مفتی تقی عثمانی صاحب۔ ہم اپنے کلام میں ان کے لئے ''مفتی صاحب'' کا لفظ استعمال کریں گے۔

"اس لئے ایک مثالی اسلامی ریاست کی اصل کوشش یہی ہونی چاہیے کہ پوری دنیا میں ایک ہی امام ہو۔ لیکن موجودہ حالات میں جہاں عالم اسلام پچاس سے زیادہ حکومتوں میں منقسم ہے، عملی طور پر ایسا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان ممالک کے حکمران متفق ہوں، ورنہ مسلمان ملکوں کے درمیان جنگ کے بغیر یہ مقصد حاصل نہیں کیا جاسکتا جو یقیناً زیادہ بڑی برائی ہے۔ اس لئے "مجبوری" کی حالت میں ان حکومتوں کو "تسلیم" کئے بغیر چارہ نہیں ہے، ورنہ شدید خلفشار لازم آئے گا۔ ماضی میں بھی حکومتیں کئی کئی رہیں، اور علماء امت نے ان کے احکام کو نافذ العمل سمجھا ہے۔ لہذا اس حد تک دوسرا قول اختیار کرنا ایک "مجبوری" ہے کہ ان کے احکام کو "نافذ" قرار دیا جائے"۔[1]

ایک اور جگہ اسی طرح اظہار خیال فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

"موجودہ حالات میں عملاً ایسا (یعنی عالم اسلام پر حکومت کرنے والے حکمرانوں کو ایک حکمران پر متفق) کرنے کے لئے بظاہر ان کے درمیان خونریزی کا شدید اندیشہ ہے جو بہت بڑی خرابی ہے، اس لئے جب تک ان ملکوں کے حکمرانوں کو یہ "توفیق" نہ ہو کہ وہ اسلام کے وسیع تر مفاد میں اپنے اپنے ملکوں کو ایک ریاست یا کم از کم ایک وفاق کی شکل دیں، "اُس وقت" تک ان الگ الگ حکومتوں کو تسلیم کرنا ایک "مجبوری" ہے اور چونکہ ان میں سے ہر ملک میں اقتدار " مسلمانوں" ہی کے ہاتھ میں ہے، اس لئے ان میں سے ہر ایک پر "دار الاسلام" کی تعریف بھی صادق آتی ہے"۔[2]

اب ذرا نمایاں کئے گئے الفاظ "مجبوری، تسلیم، نافذ، توفیق اور نافذ العمل" پر بار بار غور کیجئے، کس طرح ان باطل اور رکیک تاویلات کے نتیجے میں بلاد اسلامیہ اور عامۃ المسلمین میں سرعت کے ساتھ

[1] اسلام اور سیاسی نظریات، ص:426۔ طبع جدید نومبر 2010ء۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی

[2] اسلام اور سیاسی نظریات، ص:331۔ طبع جدید نومبر 2010ء۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی

فتنہ وفساد پھیل رہا ہے، اگرچہ اس کی سنگینی کا احساس صرف اہل حق ہی لگا سکتے ہیں، رہے باقی عام لوگ تو عوام کالانعام کی مثل بے خبر خواب خرگوش کے مزے لوٹنے پر مصر ہیں۔

زیر نظر تحریر دراصل اسی عظیم فتنے کی نشاندہی اور اس سے خبر دار کرنے کی ایک ادنی سی سعی ہے۔ تاکہ عامۃ المسلمین یہ جان لیں کہ وہ جن علماء کے متبعین بنے ہوئے ہیں آیا وہ علماء حق میں سے ہیں یا علماء سوء میں سے، کیونکہ جو بھی عالم ہوتا ہے وہ اپنے متبعین کو بھی حق یا باطل میں سے اسی صف میں کھڑا کر دیتا ہے جس میں وہ خود کھڑا ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ امام عادل، امام جائز اور آئمۃ الکفر کے ساتھ علماء حق اور علماء سوء کی صفات اور نشانیوں سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے واضح ارشادات کو جاننے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں کیونکہ یہ مسلمانوں کے ایمان کی سلامتی کے حوالے سے اہم ترین مسئلہ ہے۔ جیسا کہ شیخ ابو محمد عاصم المقدسی فک اللہ اسرہٗ (اللہ ان کو جلد رہائی نصیب فرمائے) اپنی کتاب فرماتے ہیں:

> ''ان طاغوتی حکام کو کافر قرار دینے کا جو مسئلہ ہے، یہ ہر اس آدمی کے ذہن میں سورج سے بھی زیادہ واضح اور روشن ہے جسے دین کی سمجھ ہے اور جو توحید سے واقفیت رکھتا ہے مگر جس آدمی کی آنکھیں دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہیں اسے اگر سورج نظر نہیں آتا تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ ہم ان سطور میں اسی کور چشمی کا علاج کرنا چاہتے ہیں، ہم ان آنکھوں کا علاج توحید کے مرہم اور کتاب و سنت کے سرمے سے کریں گے''۔ [1]

کچھ لوگوں کا یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ علماء وقت کے بارے میں اس طرح کلام کرنے سے فتنہ و فساد پھیلنے اور عامۃ المسلمین کا اہل علم پر سے اعتبار اٹھ جانے کا اندیشہ ہے، لہٰذا ایسے کلام سے اجتناب کیا جائے۔ لیکن جب حق و باطل کا باہم اختلاط کیا جانے لگے تو ایسے موقع پر اعلانِ حق اور ابطالِ باطل سب سے بڑا فریضہ بن جاتا ہے:

---

[1] بحوالہ كشف شبهات المجادلين عن عساكر الشرك وأنصار القوانين

﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[1]

" اور حق اور باطل کو مت ملاؤ اور نہ ہی حق کو چھپاؤ جبکہ تم جانتے ہو"۔

اور یہ اعلان حق اور ابطال باطل کیسے ہوتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس امت میں کسی نبی کو مبعوث فرمایا تو اس کی امت میں اس کے حواری اور اصحاب ہوتے تھے۔ وہ اپنے نبی کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھتے تھے اور نبی علیہ السلام کا جو بھی حکم ہوتا تھا اس کی پیروی کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد ان کے ایسے جانشین (وارثین) آتے تھے جو نالائق اور ناخلف ہوتے تھے۔"یقولون مالا یفعلون "وہ کہتے وہ تھے جو کرتے نہیں اور"یفعلون مالا یؤمرون" کرتے وہ تھے جس کا ان کو حکم نہیں تھا۔ تو جو کوئی ان سے جہاد کرے گا ہاتھ سے پس وہ مومن ہے، اور جو کوئی ان سے جہاد کرے گا اپنی زبان سے پس وہ مومن ہے، اور جو ان سے جہاد کرے گا اپنے دل سے پس وہ مومن ہے اور (جو کوئی یہ بھی نہ کرے تو وہ جان لے کہ) اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں ہے"۔[2]

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں آئمۃ الکفر اور آئمۃ المضلین کے فتنے سے محفوظ رکھے اور ہمیں امام عادل اور علماء حق کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین!

---

[1] البقرۃ:42.

[2] صحیح مسلم،ج:1،ص:168،رقم:71.

زیر بحث مضامین:

لہٰذا درج بالا مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ شریعت اسلامی کی وہ بنیادی اصطلاحات و احکامات جو کہ اسلامی نظام حکومت سے متعلق ہیں، ان کو واضح اور مبین کیا جائے تا کہ حق کا حق ہونا ثابت ہو جائے اور باطل کا باطل ہونا اور بالفاظ قرآنی:

﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ م بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ م بَيِّنَة﴾[1]

”تا کہ جو ہلاک ہو وہ کھلی دلیل کے ساتھ اور جو زندہ رہے وہ بھی کھلی دلیل کے ساتھ“۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”جب (کسی چیز کی) تفصیل میں جایا جائے اور وضاحت طلب کی جائے تو راز منکشف ہو جاتے ہیں، دن اور رات واضح ہو جاتے ہیں، اہل ایمان ویقین ان دھوکے باز منافقوں سے ممتاز ہو جاتے ہیں جو حق کو باطل سے ملا کر علم کے باوجود حق چھپا دیتے ہیں۔“[2]

اس ضمن میں مفتی صاحب کے نظریات کا رد قرآن و سنت کی روشنی میں سلف وصالحین کے فہم کے مطابق جن مضامین کے تحت کیا جائے گا، تا کہ کوئی ابہام باقی نہ رہے، وہ درج ذیل ہیں:

- خلافت وسیاست کا شرعی مفہوم اور فرضیت خلافت
- دار الاسلام اور دار الحرب کا شرعی مفہوم
- طاغوت کا شرعی مفہوم
- قرب قیامت ظہور پذیر ہونے والے دو عظیم فتنے

---

[1] الانفال:42.

[2] الرسالة النستعينية ص: 26.

شیخ ابو محمد عاصم المقدسی فک اللہ اسرہٗ اپنی کتاب "مرجئۃ العصر" میں فرماتے ہیں:

"تو میں نے یہ چند اوراق اسی مقصد کیلئے تحریر کئے ہیں کہ اس طرح کی غلط فہمیوں کا ازالہ کر سکوں اور صحیح صورت حال مسلمانوں کے سامنے پیش کر سکوں۔ اللہ سے توفیق اور خلوص نیت کی دعا ہے۔ اللہ اسے نفع بخش بنائے"۔ [1]

ہمارا مقصدِ تحریر بھی اس کے سوا کچھ نہیں........!!

نوٹ: ہم نے اپنے کلام میں احادیث مبارکہ اور سلف کے کلام کے اکثر حصے کو عربی متن کے ساتھ درج کیا ہے۔ تاکہ کسی خطاء یا سقم کی صورت میں اصل مصدر کی طرف رجوع کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہماری غلطیوں اور خطاؤں سے درگزر فرمائے اور ہماری اس سعی کو بارگاہ عالیہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین!

[1] امتاع النظر فی کشف الشبہات مرجئۃ العصر

باب اول

خلافت وسیاست کا شرعی مفہوم

رسول اللہ ﷺ کی نظر میں خلیفہ کون؟

خلافت وسیاست کا شرعی مفہوم یا بالفاظ دیگر امام عادل اور خلیفہ سے کیا مراد ہے، اس کی وضاحت شرعی طور پر یہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''من امر بالمعروف او نھی عن المنکر فھو خلیفۃ اللہ فی ارضہ وخلیفۃِ رسولہٖ وخلیفۃِ کتابہٖ''[1]

''جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے وہ (ہی) زمین میں اللہ کا، اس کے رسول کا اور اس کی کتاب کا خلیفہ ہے''۔

کیا ایسا شخص جو کہ نیکی کا حکم دینے کے بجائے اس کے راستے مسدود کررہا ہو اور برائی سے روکنے کے بجائے اس کا نفاذ بزور طاقت کررہا ہو تو کیا اس کے باوجود وہ واجب الاطاعت رہے گا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی کتاب کا خلیفہ قرار پائے گا؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں خلیفہ کون؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

[1] الجامع لاحکام القرآن، ج:11، ص:331

"قال علی الامام انما جعل لیقیم الناس الصلوۃ ویاخذ صدقاتھم ویقیم حدودھم یمضی احکامھم ویجاھد عدوھم وھذہ کلھا عقود ولا یخاطب بھا من لم یبلغ او من لا یعقل"[1]

"حضرت علی فرماتے ہیں کہ امام (خلیفہ) اس لیے بنایا جاتا ہے تاکہ نظام صلوۃ کو قائم کرے ،صدقات وصول کرے، حدود (اللہ) قائم کرے، احکام (شریعہ) کا نفاذ کرے اور دشمنوں سے جہاد کرے۔ یہ تمام امور عقود (معاملات) ہیں اور ان کا مخاطب نابالغ اور غیر عاقل نہیں ہے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ،حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے ؟حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہم نہیں جانتے، پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرے اور ان کے درمیان مال برابر کی تقسیم کرے اور لوگوں پر ایسی شفقت کرے جیسی کوئی اپنے گھر والوں پر کرتا ہے اور اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرے"۔[2]

جو حکمران نظام صلواۃ کے قائم کرنے کے بجائے اس کو ڈھادے ،صدقات کے بجائے ٹیکس وصول کرنے پر مصر رہے، حدود اللہ کو قائم کرنے کے بجائے ان کے قیام کے لئے آواز اٹھانے والوپر آتش و آہن کی برسات کردے، احکام شرعیہ کے نفاذ کے بجائے بزور شمشیر کفریہ قوانین کا اجراء کرے، دین کے دشمنوں سے لڑنے کے بجائے ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف صف آراء ہو جائے تو کیا اس کے باوجود اس کی ولایت کو "تسلیم" کیا جاتا رہے گا........؟؟

---

[1] ازالۃ الخفاء عن الخلافۃ الخلفاء ،ج:1ص:226.

[2] ازالۃ الخفاء عن الخلافۃ الخلفاء جلد دوم .

خلیفہ فقہاء کی نظر میں:

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ البقرۃ کی آیت ﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً﴾ ''ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ومعنی کونہ (خلیفۃ)انہ خلیفہ اللہ تعالیٰ فی ارضہ وکذا کل نبی استخلفھم فی عمارۃ الارض وسیاسۃ الناس وتکمیل نفوسھم وتنفیذ امرہ فیھم لالحاجۃ بہ تعالیٰ ''[1]

''خلیفہ کے معنی یہ ہے کہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ونائب ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو زمین کی آبادی، انسانوں کی سیاست (نظم ونسق) کرنے، ان کے نفوس کی تکمیل کرنے اور ان کے اندر اللہ کے حکم کو نافذ کرنے کے لئے اپنا نائب بنایا ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ اس کا محتاج ہے''۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''والصحیح انہ خلیفۃ اللہ فی ارضہ لاقامۃ احکامہ وتنفیذ قضایاہ''۔[2]

'' صحیح قول یہ ہے کہ آدم (انسان) اللہ کا خلیفہ ہے زمین میں اس کے احکام قائم کرنے اور اس کے فیصلوں کو نافذ کرنے کے لئے''۔

امام الحرمین خلیفہ کے فرائض بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] روح المعانی، تفسیر سورۃ البقرۃ.

[2] تفسیر البغوی، ج:1ص:60.

"فالقول الکلی ان الغرض استبقاء قوائد الاسلام طوعا وکرھاوالمقصد الدین"[1]

"کلی بات یہ ہے کہ غرض طوعاً وکرھاً قواعد اسلام کی بقاء ہے اور مقصد دین کا قیام ہے"۔

جس امارت کا مقصد دین اللہ کے قیام کے بجائے اپنے یا اغیار کے وضع کردہ قوانین کا اجراء ہو جائے تو کیا پھر بھی اس کے جاری کردہ احکامات کو "نافذ العمل" ہی قرار دیا جاتا رہے گا......؟؟

خلافت دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور جانشینی کا نام ہے:

امام الماوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"الامامۃ موضوعۃ لخلافۃ البنوۃ فی حراسۃ الدین و سیاسۃ الدنیا بہ"[2]

"امامت (یا خلافت) دین کی حفاظت کرنے اور اس کے ذریعے دنیاوی امور کی تدبیر اور نظم ونسق کرنے میں نبوت کی نیابت ہے"۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

"فھی فی الحقیقۃ خلافۃ عن صاحب الشرع فی حراسۃ الدین وسیاسۃ الدنیا بہ"[3]

"درحقیقت خلافت دین کی حفاظت کرنے اور اس کے ذریعے دنیوی امور کی تدبیر اور نظم و نسق کرنے میں صاحب شریعت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی نیابت اور جانشینی کا نام ہے"۔

---

[1] ازالۃ الخفاء عن الخلافۃ الخلفاء، ج:2،ص:222.

[2] الاحکام السلطانیۃ.

[3] مقدمۃ ابن خلدون.

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ان الامة واجب عليها الانقياد لامام عادل يقيم فيهم احكام الله ويسوسهم باحكام الشريعة التى اتىٰ بها رسول الله"۔ [1]

"یعنی امت پر عادل خلیفہ کی فرمانبرداری لازم ہے جو ان میں احکام الٰہی کو قائم کرتا ہے اور احکام شریعت جو رسول اللہ لائے ہیں، ان کے نفاذ کا انتظام کرتا ہے"۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"الخلافة هى الرياسة العامة فى التصدى لاقامة الدين باحياء العلوم الدينية واقامةاركان الاسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرض للمقاتله واعطاهم من الفئ والقيام بالقضاء واقامة الحدود ورفع المظالم والامربالمعروف والنهى عن المنكر نيابة عن النبى ﷺ"۔ [2]

"خلافت عامہ وہ ریاست عامہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی نیابت و جانشینی کرتے ہوئے عملاً اقامت دین کے لئے حاصل ہوئی ہو یعنی علوم دینیہ کا احیاء، ارکان اسلام کی اقامت، جہاد اور متعلقات جہاد کا قیام جیسے افواج کی ترتیب، مجاہدین کے وظائف دینا، مال غنیمت کی تقسیم، نظام عدالت کا قیام، حدود (شریعہ) کا اجراء، مظالم کو دور کرنا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا شامل ہیں"۔

[1] غیاثی ص:183.

[2] ازالة الخفاء عن الخلافة الخلفاء، ج:1، ص:17.

فقہاء کرام کے ان اقوال کی روشنی میں کیا اسلام اس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ نیابت رسول ﷺ اور آپ ﷺ کی جانشینی ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں رہے جو کہ ظلم و فسق کی حدوں توڑتے ہوئے کئی کئی دروازوں سے کفر وارتداد میں داخل ہو رہا ہو لیکن پھر بھی اس کی نیابت اور جانشینی کو" تسلیم" کرنے اور اس کے احکامات "نافذ العمل" قرار دینے کے درس دیئے جاتے رہیں گے........؟؟

زمین کی خوشحالی خلافت سے وابستہ ہے:

جب حکومت اس شرعی معنی و مفہوم کے ساتھ قائم ہو تو وہ "خلافت" کہلاتی ہے اور حاکم ان اوصاف حمیدہ کے ساتھ حکومت کر رہا ہوں تو وہ خلیفہ اور امام عادل قرار پاتا ہے اور ایسے وقت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول اللهﷺ يوم من امام عادل افضل من عبادة ستين سنة وحد يقام في الارض بحقه ازكى فيها من مطر اربعين عاما))[1]

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امام عادل کا ایک دن افضل ہے ستر سال کی عبادت سے اور زمین پر ایک حد کا قیام چالیس سالوں کی بارش سے زیادہ خوشحالی کا باعث ہے"۔

[1] الطبرانی فی الکبیر والاوسط، مجمع الزوائدج:5ص:197، وفیه سعد ابو غیلان الشیبانی ولم اعرفه وبقیة رجاله ثقات.

آج جبکہ امام عادل کے بجائے آئمۃ الکفر کا تسلط ہے اور زمین پر اللہ کی حدود کے بجائے غیر اللہ کے قوانین جاری وساری ہیں جو کہ زمین پر فتنہ وفساد، قتل وغارت اور تباہی وبربادی کا موجب ہیں، اس کے باوجود ہم ان قوانین کو "تسلیم" کئے رہیں گے........؟؟

خلیفہ کے بغیر موت جاہلیت کی موت ہے:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة)) [1]

"جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (کسی خلیفہ کی) بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا"۔

((من مات ولیس علیه امام مات میتة جاهلیة)) [2]

"جو شخص اس حال میں مرا کہ اس پر اس پر کوئی امام (خلیفہ) نہیں تو وہ جاہلیت کی موت مرا"۔

ان احادیث مبارکہ سے یہ بات کلیۃ واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خلیفہ کی بیعت کو فرض قرار دے دیا ہے اور خلیفہ کی بیعت اس کے تقرر کے بغیر نہیں ہوسکتی لہٰذا خلیفہ کا تقرر مسلمانوں پر فرض ہے۔ چناچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"ای علم صفت موتهم من حیث هم فرضی لا امام لهم"[1]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الامارۃ.

[2] کتاب السنة؛ج:2،ص:503.

"یعنی وہ کفار کی موت کی صفت پر مرا۔ اس حیثیت سے کہ وہ بغیر کسی امام کے ہیں اور ان کا کوئی امام نہیں"۔

ان احادیث مبارکہ کی روشنی یہ تلخ حقیقت تسلیم کرنے پڑتی ہے کہ مسلمانوں کی عظیم اکثریت چاہے وہ اپنی ذات میں کتنی ہی نیک اور صالح کیوں نہ ہو، اجتماعی لحاظ سے کم از کم جاہلیت کی صفت پر اس دنیا سے رخصت ہو رہی ہے تو کیا پھر بھی ہم "مجبوری" کا بہانہ بنا کر ان حالات میں سر "تسلیم" خم کئے جاہلیت کی موت مرتے رہیں گے......؟؟

سفر بغیر امیر کے جائز نہیں:

رسول اللہ ﷺ نے حالت سفر میں بھی جبکہ تعداد کتنی قلیل ہی کیوں نہ ہو، امیر کے تقرر کو لازمی قرار دیا ہے:

((اذا خرج ثلاثة فی سفر فلیئو مروا احدھم))[2]

"جب تین آدمی سفر کے لئے نکلیں تو انہیں چاہیے کہ اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں"۔

((لا یحل لثلاثة یکونون بفلاة من الارض الا امروا علیھم احدھم))[3]

"نہیں ہے حلال تین آدمیوں کے لئے جو کسی خطۂ زمین میں (سفر میں) ہوں مگر یہ کہ وہ اپنے اوپر ایک امیر مقرر کرلیں"۔

---

[1] شرح النووی للصحیح المسلم، کتاب الامارۃ باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین۔

[2] سنن ابی داود کتاب الجھاد باب 87.

[3] سنن ابی داود کتاب الجھاد باب 87.

لہٰذا مسلمانوں کے لئے ایک امیر کا تقرر بطریق اولیٰ فرض قرار پایا۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ مندرجہ بالا احادیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"فقد اوجب صلوات اللّٰه وسلامه عليه وعلى آله تأمر الواحد فى الاجتماع القليل العارض فى السفر منبهاً بذلك على سائر انواع الاجتماع..............فاذا وجب فى اقل الجماعات واقصر الاجتماعات ان يولى احدهم كان هذا تنبيهاً على وجوب ذالك فيما هو اكثر من ذلك"۔[1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیل اجتماعیت جو سفر میں پیش آجائے، اس میں امیر بنانے کو واجب قرار دیتے ہوئے اجتماعیت کی تمام اقسام پر تنبیہ فرمائی ہے۔ جب چھوٹی سی جماعت اور انتہائی کم اجتماع میں کسی ایک کو امیر بنانا واجب ہے تو یہ اس سے بڑی اجتماعیت میں، اس کے وجوب پر تنبیہ ہے"۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جب تین آدمیوں کے سفر میں نکلنے کی صورت میں امیر مقرر کئے بغیر نکلنا حلال اور جائز نہیں تو پوری امت کے اجتماعی معاملات کو سنبھالنے کے لئے ایک امیر (خلیفہ) کا نہ ہونا با امر "مجبوری" کب تک قبول کیا جاتا رہے گا........؟؟

واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے:

علماء اصولیین کے ہاں شرعی قاعدہ کلیہ ہے جس کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں نقل کیا کہ:

---

[1] السياسة الشرعية، ص:161.

"مقدمة الواجب واجبة"[1]

"واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے"۔

اور جس کو امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

کیونکہ اصول یہ ہے کہ (مَالَا یَتِمُّ الْوَاجِبُ اِلَّا بِہٖ فَھُوَ وَاجِبٌ) "جس معاون چیز کے ساتھ کسی واجب کی ادائیگی ہوتی ہے وہ کام بھی واجب ہے"۔[2]

چنانچہ علامہ تفتازانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ان الشارع امر باقامة الحدود وسد الثغور وتجهيزالجيوش للجهاد وكثير من الامور المتعلقة بحفظ النظام وحماية بيضة الاسلام مما لايتم الا بالامام وما لا يتم الواجب المطلق الا به وكان مقدورا فهو واجب"۔[3]

"شارع نے حدود (اللہ) کے قائم کرنے، سرحدوں کے حفاظت، جہاد کے لئے لشکر کو تیار کرنے اور بہت سے ایسے امور کا حکم دیا ہے جو نظام کی حفاظت اور مرکز اسلام کے تحفظ سے متعلق ہیں، جو کہ امام (خلیفہ) کے بغیر ادا نہیں ہوسکتے اور جو مطلق فریضہ جس چیز کے بغیر پورا نہیں ہوسکتا تو وہ چیز از خود واجب ہوجاتی ہے"۔

فرضیت خلافت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں:

---

[1] ازالۃ الخفاء عن الخلافۃ الخلفاء ،ج:1،ص:228.

[2] مجموع الفتاویٰ :28/259.

[3] شرح المقاصد؛ج:5،ص:536.

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر جو خطبہ دیا تھا، اس میں فرمایا:

"الا ان محمد قد مات ولا بدّ لهذا الدين ممن يقوم به" [1]

"سنو! محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں اور اس دین کے لئے ایسا شخص (خلیفہ) ہونا ضروری ہے جو اسے قائم کرے"۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا لفظ "لابدّ" استعمال کرنا دراصل اس کی فرضیت کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور سامعین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے اس اصول سے اختلاف نہیں کیا اور ان کا سکوت اجماع کے مترادف ہے اور اسی پر اہل سنت والجماعت کا متواتر اجماع چلا آرہا ہے۔

امام احمد بن حجر الہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اعلم ايضاً ان الصحابة اجمعوا على ان نصب الامام بعد انقراض زمن النبوة واجب بل جعلوها اهم الواجبات حيث اشتغلوا به عن دفن رسول الله ﷺ"۔[2]

"یعنی یہ بھی جان لیجئے کہ زمانہ نبوت کے ختم ہونے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امام کے تقرر کے واجب پر اجماع ہو چکا ہے بلکہ انہوں نے اسے بڑے فرائض میں سے قرار دیا ہے یہاں تک کہ اس کی ادائیگی میں مشغول ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کی تدفین کو مؤخر کر دیا"۔

علامہ علاؤالدین الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] مواقف۔ الرابع بحوالہ اسلام کا سیاسی نظام.

[2] الصواعق المحرقة؛ ص7.

"ونصبه اهم الواجبات فلذا قدموه علی دفن صاحب المعجزات"۔[1]

"خلیفہ کا تقرر اہم ترین فرائض میں سے ہے اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین پر مقدم رکھا"۔

سوچنے کا مقام ہے کہ کیا آج ہم اس فریضہ کو ادا کرنے کے بجائے حالات کی "مجبوری" کا بہانہ بنا کر اہم ترین فرض عین سے کنارہ کش رہیں گے........؟؟

خلیفہ کا تقرر اجماع سے ثابت ہے:

اسی لئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح الفقہ الاکبر میں فرماتے ہیں:

"فقد اجمعوا علی وجوب نصب الامام"۔[2]

" آئمہ کرام کا اجماع ہے کہ امام کا تقرر واجب ہے"۔

علامہ تفتازانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقد ذكر فی كتبنا الفقهية انه لابد للامة من امام يحي الدين وقيم السنة وينتصف للمظلومين ويستوفی فی الحقوق ويضعها مواضعها"۔[3]

---

[1] درمختار برحاشیۃ الشامی ،ج:1،ص:511.

[2] شرح الفقه الاكبر ،ص:146.

[3] شرح المقاصد؛ ج:5،ص:235.

"ہماری فقہی کتابوں میں یہ بات مذکور ہے کہ امت کے لئے ایسے امام کا وجود لازم ہے جو دین کا احیاء کرے، سنت (رسول ﷺ) کو قائم کرے، مظلوموں کو انصاف دلائے، حقوق لے کر ان کے مستحقین کو دے"۔

چناچہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ البقرۃ کی آیت ﴿انی جاعل فی الارض خلیفۃ﴾ "ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"هذه الاية اصل فى نصب امام وخليفة يسمع له ويطاع لتجتمع به الحكم وتنفذبه احكام الخليفة ولايخاف فى وجوب ذلك بين الامة ولا بين الأئمة"۔[1]

"یہ آیت امام و خلیفہ کے تقرر (کی فرضیت) کے بارے میں قاعدہ کلیہ (یعنی نص) کی حیثیت رکھتی ہے۔ (اس کا تقاضہ یہ ہے کہ) ایسا امام ہو جس کی بات سنی جائے اور اس کی اطاعت کی جائے تاکہ کلمہ (اسلام کی شیرازہ بندی) اس سے مجتمع رہے اور خلیفہ کے احکام نافذ ہوں۔ امت اور آئمہ و فقہاء میں خلیفہ کے تقرر کے واجب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں"۔

ایسا حکمران جو کہ دین کے احیاء کے بجائے اس کا کھلم کھلا اخفاء کرے، سنت رسول ﷺ کے قیام کے بجائے اس کا سر عام استہزا و تمسخر کرے، مظلوموں کو انصاف دلانے کے بجائے خود ان پر ظلم کرنے والا ہو، حقوق دلانے کے بجائے خود غصب کرنے والا ہو تو کیا پھر بھی اس کی ولایت "تسلیم" کی جاتی رہے گی.........؟؟

[1] الجامع لاحکام القرآن؛ج:1،ص:251.

{جیسا کہ ہمارے ہاں ایک سابق حاکم وقت نے یہ کہا تھا کہ ”آج خلافت کا نظام قابل عمل نہیں“. اور ” داڑھی اور پردہ کو گھر پر رکھا جائے“. اور ”موسیقی کو حرام کہنے والوں سے ہمیں مقابلہ کرنا ہوگا“........ پھر بھی اس کی ولایت کو جب تک اس کے بیرونی آقاؤں کی مرضی رہی، ”تسلیم“ کیا جاتا رہا اور اس کے احکامات ”نافذ العمل“ سمجھے جاتے رہے اور آج بھی صورتحال کچھ مختلف نہیں}

تین دن سے زیادہ خلیفہ کی عدم موجودگی جائز نہیں:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے اوپر قاتلانہ حملہ ہونے کے بعد جس میں آپ سخت مجروح ہوگئے تھے، اپنے بعد خلیفہ منتخب کرنے کے لئے چھ افراد پر مشتمل شوریٰ بناتے ہوئے فرمایا:

”فاذا متّ فتشاورا ثلا ثة ایام ولا یاتینّ الیوم الرابع الا وعلیکم امیر منکم“۔[1]

”جب میں فوت ہو جائوں تو تین دن تک مشورہ کرو اور چوتھا دن نہ آنے پائے کہ تمہارے اوپر ایک امیر ہو“۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ولا یجوز التردد بعد موت الامام فی اختیار الامام اکثر من ثلاث“۔[2]

”امام (خلیفہ) کی وفات کے بعد نئے خلیفہ کے منتخب کرنے میں تین دن سے زیادہ تذبذب و تاخیر جائز نہیں“۔

[1] تاریخ الطبری بحوالہ الامامۃ العظمیٰ.

[2] المحلی لابن حزم رحمۃ اللہ علیہ ج:1، ص:35.

قاضی ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''فلولا ان الامامة واجبة لما ساغت تلك المحاورة والمناظرة عليها''۔[1]

''اگر امامت کا قیام واجب نہ ہوتا تو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے پہلے) اس پر (سقیفہ بنی ساعدۃ میں) باہم گفتگو اور مناظرہ نہ ہوتا''۔

امام عادل سے یہ امت عرصہ دراز ہوا محروم ہو ہی ہو چکی تھی لیکن ''خلافت'' کے نام سے جیسا بھی نظام دنیا میں موجود تھا، اس کو بھی زمین بوس ہوئے ایک صدی بیت چکی ہے، چنانچہ خلافت کے قیام کے لئے مزید کتنے دن مسلمانوں پر مسلط طواغیت کی ''توفیق'' کا ہم انتظار کرتے رہیں گے.........؟؟

حج و عیدین کے ادائیگی خلافت کی ادائیگی سے مشروط:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ولان الله تعالیٰ اوجب الامر بالمعروف والنهی عن المنكر ولا يتم ذلك الا بقوة وامارة وكذلك سائر ما اوجبه من الجهاد والعدل واقامة الحج والجمع والاعياد ونصر المظلوم واقامة الحدود لا تتم الا بالقوة والامارة''۔[2]

''اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو واجب قرار دیا ہے اور یہ طاقت و امارت کے بغیر مکمل نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح تمام وہ احکام جن کو اللہ نے واجب کیا ہے یعنی جہاد، عدل کا قیام، حج و جمعہ و عیدین کی اقامت، مظلوم کی مدد اور اقامت حدود (اللہ)، طاقت و امارت کے بغیر پورے نہیں ہوتے ہیں''۔

[1] الاحكام السلطانية لابن ابی يعلی رحمۃ اللہ علیہ، ص:3.

[2] مجموعة فتاویٰ ابن تيمية رحمۃ اللہ علیہ: ج:28، ص:390.

امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"والمسلمون لابد لهم من امام يقوم بتنفيذ احكامهم واقامة حدودهم وسد ثغورهم وتجهيز جيوشهم واخذ صدقا تهم وقهر المتغلبة والمتلصصة وقطاع الطريق واقامة الجمعة والاعياد"۔[1]

"مسلمانوں کے لئے ایسے امام کا ہونا ناگزیر ہے جو احکامات (شرعیہ) کو نافذ کرے، حدود (اللہ) کو قائم کرے، سرحدوں کی حفاظت کرے، صدقات وصول کرے، سرکشوں، چوروں اور ڈاکوؤں پر قابو پائے اور جمعہ وعیدین کو قائم کرے"۔

جس فریضہ کی عدم ادائیگی پر اقامت حج اور اقامت جمعہ وعیدین فقہاء کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی اور جس کی ادائیگی اس اہم فریضہ کی ادائیگی سے مشروط ہے۔ جیسا کہ فقہاء کرام جمعہ کی نماز کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے "مصر" کی شرط لگاتے ہیں اور "مصر" کی تعریف یوں کرتے ہیں:

((المصر وهو كل موضع له أمير وقاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود.........))[2]

""""مصر" ہر اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں مسلمانوں کا امیر یا قاضی ہو اور وہ اسلامی احکام کو نافذ اور حدودِ شرعیہ کو قائم کرتا ہو۔"

کفر وارتداد کے مرتکب حکمرانوں کے کفریہ احکامات کو "تسلیم" کئے رہنے کے باوجود کیا ہمارا جمعہ وعیدین کا اہتمام اور حج وعمرہ کی مسلسل ادائیگی اللہ رب العزت کے ہاں شرف قبولیت پاسکتی ہیں.........؟؟

---

[1] شرح العقائد النسفية 103۔شامی ،ج:2،ص:280.

[2] بحر الرائق صفحه 140،ج2.

خلافت کا قیام فرض کفایہ ہے:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"واجب بالکفایۃ است بر مسلمین الی یوم القیامۃ نصب خلیفۃ مستجمع شرائط"۔[1]

"قیامت تک مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے کہ ایسے خلیفہ کا تقرر کریں جس کے اندر خلافت کی شرائط موجود ہوں"۔

فقہاء کرام کے نزدیک خلافت کا قیام ابتدائی طور پر فرض کفایہ ہے، لیکن اگر اس کو مقرر مدت (یعنی تین دن) میں ادا نہ کیا جائے تو فرض عین ہو جاتا ہے۔ جیسے جہاد اگر کچھ لوگ ادا کریں اور وہ اس کے لئے کفایت بھی کریں تو باقی مسلمانوں سے ساقط ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی بھی اس کو ادا نہ کرے تو تمام مسلمان گناہ گار ہوں گے۔ قاضی ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وھی فرض علی الکفایۃ"[2]

"یہ (خلافت کا قیام) فرض کفایہ ہے"۔

امام الماوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فاذا ثبت وجوبھا ففرضھا علی الکفایۃ کالجھاد وطلب العلم"[3]

---

[1] ازالۃ الخفاء عن الخلافۃ الخلفاء، ص:3.

[2] الاحکام السلطانیۃ لابن ابی یعلی رحمۃ اللہ علیہ، ص:3.

[3] الاحکام السلطانیۃ للماوردی رحمۃ اللہ علیہ، ص:6.

"جب امامت کا وجوب ثابت ہو چکا تو یہ فرض کفایہ ہے جہاد اور طلب علم کی طرح"۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" تولی الامامۃ فرض کفایۃ"۔[1]

"امامت کی ذمہ داری سنبھالنا فرض کفایہ ہے"۔

علماء اصول کا یہ متفقہ قاعدہ کلیہ ہے کہ فرض کفایہ اگر مقررہ مدت میں ادا نہ کیا جائے تو وہ فرض عین ہو جاتا ہے۔ چونکہ خلافت کا قیام ابتداً فرض کفایہ ہے، لیکن اگر مقررہ مدت (یعنی تین دن) کے اندر کچھ لوگ (جو اس کے اہل ہیں) اسے ادا نہ کریں گے تو فرض عین ہو جائے گا۔ جیسے ابتداً جہاد فرض کفایہ ہے، لیکن اگر مقررہ مدت میں کچھ لوگ اسے ادا نہ کریں تو فرض عین ہو جاتا ہے اور جب تک اسے ادا نہ کیا جائے تو سب لوگ گناہ گار ہوتے ہیں۔ اسی طرح نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے، لیکن مقررہ مدت میں کچھ لوگ اس کو ادا نہ کریں تو فرض عین ہو جاتا ہے اور تمام لوگ گناہ گار ہوتے ہیں۔ امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ولو فرض تعطیل فرض من فروض الکفایات لعم الماء ثم علی الکفایۃ علی اختلاف الرتب والدرجات.ثم ما یقضی علیه بانه من فروض الکفایات قدیتخین علی بعض الناس فی بعض الاوقات "۔

"اگر بالفرض فروض کفایہ میں سے کوئی بھی فرض کفایہ معطل ہو جائے تو تمام لوگ حسب مراتب گناہ گار ہوں گے......... فروض کفایہ بعض اوقات بعض لوگوں پر فرض عین ہو جاتے ہیں"۔

[1] روضۃ الطالبین بحوالہ الامامۃ العظمی۔

خلافتِ اسلامیہ کے انہدام کی وجہ سے پوری دنیا میں اسلامی قوانین معطل، نظامِ جہاد درہم برہم، مرکز کا فقدان، اسلامی دنیا چھوٹے چھوٹے ممالک میں منقسم، کافر قوتوں کا فکری، سیاسی، عسکری واقتصادی غلبہ اور بے بس ومجبور مسلمان دنیا کے ہر کونے میں ذلیل اور مغلوب ہو کر رہ گئے ہیں۔ کیا اب بھی امت مسلمہ پر خلافت کا قیام سب سے اہم اور بڑا فریضہ قرار نہیں پائے گا........؟؟

خلافت کا قیام دین کا اہم ترین رکن اور فریضہ ہے:

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو خلافت کا قیام رکن دین میں سے ہے:

"انها رکن من ارکان الدین الذی به قوام المسلمین"۔[1]

"اور وہ (امامت) ارکان دین میں سے ہے جس کے ذریعے مسلمانوں کے اجتماعی نظام کے قیام ہوتا ہے"۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اقامت خلافت کو فرائض دینیہ میں سے سب سے بڑا فریضہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یجب ان یعرف ان ولایة امر الناس من اعظم واجبات الدین بل لاقیام للدین ولا الدنیا الابها"۔[2]

"یہ جان لینا واجب ہے کہ لوگوں کے (اجتماعی) معاملات کے لئے ولایت (خلافت) دین اسلام کے فرائض میں سے ایک بڑا فریضہ ہے بلکہ دین و دنیا کا قیام اس کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے"۔

---

[1] الجامع لاحکام القرآن ،ج:1،ص:252.

[2] السیاسة الشرعیة،ص:161.

جس طرح آج اگر کوئی یہ کہے کہ ''اقامت صلوٰۃ سے مسلمانوں کے درمیان بڑی قتل و غارت اور فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے لہٰذا بحالت ''مجبوری'' جب تک لوگوں کو ازخود ''توفیق'' نہیں ہوتی اس کو معطل اور منسوخ رکھا جائے اور صرف انفرادی ذکر و اذکار اور ذاتی اخلاق کی اصلاح پر توجہ دی جائے ''، تو شرعاً اس کی بات کو کسی صورت قبول نہیں کیا جائے گا ، علی ھذا لقیاس اسی طرح ''اقامت خلافت'' جو کہ تمام فقہاء کے نزدیک سب سے بڑھ کر فریضہ ہے اور صلوٰۃ کی مکمل اقامت دار و مدار بھی اسی پر ہے تو پھر کیسے یہ بات قبول کی جاسکتی ہے کہ ''جب تک مسلمانوں پر مسلط ظالم حکمرانوں کو(جو کہ دراصل طواغیت ہیں اور جن کے افعالِ کفر و ارتداد کسی سے پوشیدہ نہیں)ازخود خلافت کے قیام کی ''توفیق'' نہیں ہو جاتی ، بحالت ''مجبوری'' ان کے احکامات (چاہے وہ کفریہ ہی کیوں نہ ہوں) کے نفاذ کو مسلمانوں کے درمیان قتل وغارت اور فتنہ وفساد کے خدشہ کے پیش نظر (جو کہ درحقیقت اس فرض کی عدم ادائیگی کی وجہ سے پھیل چکا ہے)''تسلیم'' کئے بغیر چارہ نہیں''۔ لہٰذا ایسا کلام کرنے والوں کے بارے میں شیخ ابو محمد عاصم المقدسی فک اللہ اسرہٗ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: وَ قَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِہٖ [النساء:66.]''انہیں حکم دیا گیا ہے کہ (طاغوت کا)انکار کریں۔''اللہ کے اس حکم کو ماننے کے بجائے انہوں نے اس کے برعکس طاغوت کا ساتھ دیا۔اس کی حفاظت کی، حمایت کی، اتباع کی اور طاغوتی وکفری قوانین کی پیروی کی ۔ لہٰذا ان کی نہ نماز قبول ہے نہ روزہ نہ دیگر اعمال جب تک یہ لوگ اعمال کی قبولیت کی شرط کو پورا نہ کردیں۔اس کی مثال یوں سمجھیں کہ یہ طاغوت کے حمایتی اگر بغیر وضو کے نماز پڑھیں تو کیا ان کی نماز اللہ کے ہاں قبول ہو گی یا باطل و مردود ہو کر ان کے منہ پر ماردی جائے گی ؟ ہر شخص کہے گا کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں اس لیے کہ بغیر وضوء کے نماز باطل و مردود ہے۔تو اسی طرح اس بات میں بھی غور کرنا چاہیے جب طہارت کا ترک، نماز کو باطل کردیتا ہے اس لیے کہ طہارت شرط ہے تو پھر توحید کا اقرار اور کفر بالطاغوت تو قبول اعمال کے لیے سب سے بڑی شرط ہے۔یہ وہ شرط ہے جس کا معلوم کرنا اور اس پر عمل کرنا انسانوں پر اللہ نے نماز اور اس کی شرائط،طہارت ونواقض وغیرہ معلوم

کرنے سے پہلے واجب کر دیا ہے۔ یہ وہ شرط ہے جسے اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مکے میں فرض کیا تھا نماز وغیرہ کی فرضیت سے پہلے"۔[1]

جو حضرات "اقامت خلافت" کیلئے قتال کو مسلمانوں میں اپنے فہم کی بناء قتل وغارت اور فتنہ و فساد سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے پیش نظر اس کے قیام کو مؤخر اور معطل رکھتے ہیں، ان کے لئے صرف ایک مثال کافی ہے، وہ ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا "اقامت زکوٰۃ" کے معاملے میں ان مانعین زکوٰۃ سے قتال کرنا جو کہ زکوٰۃ کے منکر نہیں ہوئے تھے، صرف انہوں نے اس کی خلیفہ کو ادائیگی سے انکار کیا تھا۔ اس موقع پر جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس طرح گویا ہوئے:

"اے خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے رائے تو یہ ہے کہ آپ اس وقت عرب سے نماز ادا کرنے کو ہی غنیمت جانیں اور زکوٰۃ کی عدم ادائیگی پر مواخذہ نہ کریں۔ یہ لوگ ابھی ابھی اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ تمام اسلامی فرائض واحکام کو تسلیم کر کے سچے مسلمان بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اسلام کو قوت دے دے گا تو ہم ان کے مقابلے پر قادر ہو جائیں گے لیکن اس وقت مہاجرین و انصار میں تمام عرب و عجم کے مقابلہ کی سکت نہیں"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سننے کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے رائے طلب کی تو انہوں نے حرف بہ حرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید کی۔ اس کے بعد تمام انصار ومہاجرین بھی اسی رائے کی تائید میں یک زبان ہو گئے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے سن کر ان کو غیرت دلاتے ہوئے یہ فرمایا:

[1] كشف شبهات المجادلين عن عساكر الشرك وأنصار القوانين.

”جبار فی الجاهلية خوار فی الاسلام“

”جاہلیت میں تو بڑے سخت تھے، اسلام میں آکر بزدل ہو گئے“

پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور فرمایا:

”اللہ کی قسم! میں برابر امرِ الٰہی پر قائم رہوں گا اور اللہ کی راہ میں جہاد کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا اور ہم میں سے جو قتل ہو وہ شہید ہو کر جنت میں جائے اور جو زندہ رہے وہ خدا کی زمین میں اس کا ”خلیفہ“ اور اس کے بندوں کا وارث ہو کر رہے........ اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ جو زکوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے اس میں سے ایک رسی بھی روکیں گے تو میں ان سے برابر جہاد کرتا رہوں گا حتیٰ کہ میری روح اللہ تعالیٰ سے جاملے۔ خواہ ان لوگوں کی مدد کے لئے تمام درخت و حجر اور جن و انس میرے مقابلے کے لئے جمع ہو جائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ میں کوئی فرق نہیں رکھا بلکہ دونوں کو ایک ہی سلسلہ میں ذکر فرمایا ہے“۔ [1]

یہ تقریر ختم ہوتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور فرمایا:

”اللہ کی قسم! اس کے بعد میں سمجھ گیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دل میں جو قتال کا ارادہ ہوا ہے، یہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈالا ہے اور میں پہچان گیا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے حق ہے“۔ [2]

[1] کنز العمال جلد:3ص:42.

[2] بخاری، کتاب استتابة المرتدین

کیا''اقامت زکوٰۃ ''سے بڑھ کر فریضہ ''اقامت خلافت''کا نہیں ہے،تو پھر وہ کون سی ''مجبوری''ہے جو فریضۂ اقامت خلافت کے بجائے طاغوت کی حاکمیت ''تسلیم''کرنے پر مجبور کر رہی ہے........؟؟

باب دوم

دار الاسلام اور دار الحرب کا شرعی مفہوم

دار الاسلام اور دار الحرب کے تعین کی ضرورت و اہمیت:

مفتی صاحب کے والد محترم، مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کی ضرورت و اہمیت پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''جو لوگ فقہ اور فتاوی سے مناسبت رکھتے ہیں اُن پر یہ بات مخفی نہیں کہ تقریباً فقہ کے تمام ابواب نماز، روزہ، حج، زکوۃ، نکاح، طلاق اور بالخصوص بیع و شراء، اجارہ و دیگر معاملات میں سینکڑوں مسائل شرعیہ ہیں (ایسے ہیں جن کا حکم) دار الاسلام کے لئے کچھ (اور) ہے اور دار الحرب کے لئے دوسرا۔ اس لئے اگر یوں کہا جائے کہ احکام شرعیہ کا ایک بہت بڑا حصہ اس پر موقوف ہے کہ ان پر عمل کرنے والے جس ملک میں آباد ہیں، پہلے اس کا دار الاسلام یا دار الحرب ہونا متعین کریں تو بالکل صحیح و درست ہے''۔[1]

چنانچہ اس سے پہلے کے اس باب کو سلف و صالحین کے فتاویٰ کی روشنی میں شرعاً واضح کیا جائے ،ضرورت اس امر کی ہے کہ اس بنیادی بگاڑ اور تلبیس کو سمجھا جائے جس کے ذریعے علمائے سوء ظلم و فسق سے بڑھ کر کفر و ارتداد کے مرتکب حکمرانوں کے لئے مردود اور بھونڈے دلائل گھڑتے ہیں۔ یہ سب دو ذرائع سے ہوتا ہے:

(ا) کلام کو اپنے صحیح محل و مقام سے پھیر دینا،

---

[1] فیصلۃ الاعلام فی دار الحرب و دار الاسلام ''۔ بحوالہ تالیفات رشیدیہ، ص:654، ادارہ اسلامیات لاہور.

اور یہی علمائے یہود کے طریقہ تھا:

﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾[1]

''وہ کلمات (شریعت) کو اپنے مقامات سے پھیر دیتے ہیں''۔

جیسا کہ حدیث میں بھی آتا ہے:

((لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِيْ مَا أَتٰى عَلٰى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ))[2]

''میری امت پر بھی لازماً وہ تمام حالات وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر واقع ہوئے ،بالکل ایسے ہو بہو جیسے ایک جوتی دوسری جوتی سے مشابہ ہوتی ہے۔''

(۲) کلام کو توڑ مروڑ کر اپنے باطل نظریات کے لئے دلیل بنانا،

یعنی آیات قرآنی، احادیث مبارکہ اور سلف وصالحین کے متشابہ کلام کو بجائے اس کے کہ محکم کلام کے طرف لوٹایا جائے، اُس کو ہی دلیل بنالینا حالانکہ حکم قرآنی یہ ہے کہ:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ

[1] المائدة:13.

[2] مستدرك للحاكم ،ج:1ص:430رقم:408۔جامع ترمذی،ج:9ص:253رقم:6525هذا حديث حسن غريب.

وَابۡتِغَآءَ تَأۡوِيۡلِهٖ وَمَا يَعۡلَمُ تَأۡوِيۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ يَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ﴾[1]

" وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی۔ جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مرادِ اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مرادِ اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں دستگاہِ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اُن سب پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا آیت تلاوت کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

"اذا رائتم الذی یتبعون ما تشابه منه فاحذروهم"[2]

"جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو قرآن کے متشابہات کی پیروی کرتے ہوں تو ان سے بچو"۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

"ویل للمتفقهین لغیر العبادة والمستحلین للحرمات بالشبهات"[3]

"ان فقہاء کے لئے بربادی ہے جو عبادت کی نیت سے علم حاصل نہیں کرتے بلکہ شبہات کے ذریعے حرام چیزوں کو حلال قرار دینے کے لئے ایسا کرتے ہیں"۔

---

[1] آل عمران: 7.

[2] سنن الدارمی، رقم الحدیث 147.

[3] سنن الدارمی، باب تغیر الزمان وما یحدث فیه، رقم: 193.

تلبیسی استدلال:

چنانچہ اس باب یعنی دار الاسلام اور دار الحرب کے بارے میں ان ہی دو قسم کا تلبیسی کلام آپ کے سامنے رکھتے ہیں اور پھر اس بارے میں سلف وصالحین کا اصل مؤقف کیا ہے، وہ بیان بھی کریں گے تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت ہو جائے۔

کتاب "اسلام اور سیاسی نظریات" کے مؤلف اپنی کتاب میں دارالاسلام کے بارے علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

''فان دار الاسلام للموضع الذی یکون تحت ید المسلمین ''[1]

"دار الاسلام اُس جگہ کا نام ہے جو مسلمانوں کے قبضے میں ہوں۔"

اور جامع الرموز کی یہ عبارت کہ:

"دار الاسلام مایجری فیه امام المسلمین "۔[2]

" دار الاسلام وہ ہے جس میں مسلمانوں کے امام (سربراہ) کا حکم چلتا ہو اور مسلمان اُس میں امن سے رہتے ہوں۔"

اس کے تحت مفتیؔ صاحب فرماتے ہیں:

[1] شرح السیر الکبیر ،باب 127ج4ص86.

[2] جامع الرموز ج4ص655.

''جامع الرموز کی مذکورہ بالا عبارت میں جو کہا گیا ہے کہ اُس ملک میں ''مسلمانوں کے امام کا حکم چلتا ہو''اُس سے بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا ہے کہ یہاں حکم سے مراد تمام احکام شریعت ہیں، لہٰذا اگر مسلمانوں کے زیر تسلط کسی ملک میں شریعت کے تمام احکام نافذ نہ بھی ہوں تو اُسے دار الاسلام نہیں کہا جاسکتا، لیکن یہ بات درست نہیں ہے''۔

اور مزید فرماتے ہیں:

''آپ نے دیکھا کہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے دار الاسلام کی تعریف میں صرف یہ بات ذکر فرمائی ہے کہ وہ مسلمانوں کے قبضے میں ہو، اور اس بات کو جامع الرموز کی عبارت میں اس طرح تعبیر کیا گیا ہے کہ اُس میں مسلمانوں کے امام کو حکم چلتا ہوں، یعنی اس کے احکام نافذ ہوتے ہوں، قطع نظر اس کے کہ وہ احکامِ شریعت کے مطابق ہے یا نہیں''۔

پھر مزید وضاحت کے لئے فرماتے ہیں:

''چونکہ اُس دور میں اس بات کا تصور مشکل تھا کہ کوئی ملک مسلمانوں کے تسلط میں ہونے کے باوجود اپنے باشندوں پر اسلامی احکام نافذ نہ کرے، اس لئے اُس دور میں یہ مسئلہ صراحت سے بیان نہیں ہوا کہ اگر مسلمانوں کے زیر اقتدار کسی ملک میں شریعت مکمل طور پر نافذ نہ ہو تو اُسے دار الاسلام کہا جائیگا یا نہیں؟ بلکہ صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا گیا دار الاسلام وہ ہے جو مسلمانوں کے قبضے میں ہو اور اُس میں انہی کا حکم چلتا ہو۔ لیکن بعد کے زمانوں جب مسلمان حکمرانوں کی غفلت سے ایسی صورت حال پیش آئی کہ کوئی ملک مسلمانوں کے زیر اقتدار بھی ہے، اور اُس میں شریعت کے احکام پوری طرح نافذ نہیں ہیں، تو بعد کے فقہاء کرام نے اس بات کی صراحت فرمادی''۔

پھر اپنے اس مؤقف کی دلیل میں علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ شام میں جو جبل تیم اللہ کا علاقہ ہے جسکا نام جبل الدروز بھی ہے ،وہ اور اُسکے تابع جو شہر ہیں ،وہ سب دارا لاسلام ہیں ، کیونکہ اگرچہ ان علاقوں میں عیسائی اور دروزی حکام موجود ہیں ، اور اُن کے قاضی بھی ہیں جو اپنے دین کے مطابق فیصلے کرتے ہیں ، اور ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو اعلانیہ اسلام اور مسلمانوں کو برا بھلا کہتے ہیں ، لیکن وہ ہمارے حکام کے ماتحت ہیں ، اور اسلامی ممالک ہر طرف سے ان کو گھیرے ہوئے ہیں ، اور اگر ولی الامر ان پر ہمارے احکام نافذ کرنا چاہے تو نافذ کر سکتا ہے"۔[1]

اس تلبیسی استدلال کا رَد ان شاء اللہ ہم اِن ہی کتابوں اور اسلاف کے اقوال سے کریں گے ، جسے توڑ مروڑ اور محل ومقام سے ہٹا کر کفر وارتداد کے مرتکب حکمرانوں کو خوش کرنے کیلئے وضع کیا گیا ہے۔

اصل حقائق و دلائل:

مفتیؔ صاحب فرماتے ہیں......... "آپ نے دیکھا کہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے دار الاسلام کی تعریف میں "صرف" یہ بات ذکر فرمائی ہے کہ وہ مسلمانوں کے قبضے میں ہو ، اور اس بات کو جامع الرموز کی عبارت میں اس طرح تعبیر کیا گیا ہے کہ اُس میں مسلمانوں کے امام کو حکم چلتا ہوں ، یعنی اس کے احکام نافذ ہوتے ہوں ، قطع نظر اس کے کہ وہ احکامِ شریعت کے مطابق ہے یا نہیں" ....اور یہ کہ......... "بعض حضرات کو یہ "شبہ" ہوا ہے کہ یہاں حکم سے مراد تمام احکام شریعت ہیں ، لہٰذا اگر مسلمانوں کے زیر تسلط کسی ملک میں شریعت کے تمام احکام نافذ نہ بھی ہوں تو اُسے دار الاسلام نہیں کہا جا سکتا ، لیکن یہ بات درست نہیں ہے"۔

---

[1] ردالمختار ج:16،ص:101. اسلام اور سیاسی نظریات ، ص:324 تا 326۔ طبع جدید نومبر 2010ء۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی۔

ان دو عبارات میں مفتی صاحب یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہیں کہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اسلاف دار الاسلام کی تعریف کو صرف اس بات سے مقید کر رہے ہیں کہ وہاں مسلمانوں کا قبضہ ہو، قطع نظر وہاں احکام اسلامی کا اجراء ہو یا احکام کفر کا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ مفتی صاحب نے جن لوگوں کے "شبہ" میں مبتلا ہونے کا ذکر کیا ہے، وہی اصل حقائق کے جاننے والے ہیں اور "شبہ" مفتی صاحب کو ہو گیا ہے، کیونکہ جن کتابوں کا انہوں نے حوالہ دیا ہے اور جن شخصیات کا کلام انہوں نے اپنے موقف کی دلیل میں نقل کیا ہے، ان ہی کتابوں اور شخصیات کے دیگر محکم حوالہ جات اور کلام سے ہی اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ وہ دار الاسلام سے مراد صرف مسلمانوں کا اقتدار ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ احکام اسلام کے اجراء کو بھی اس سے مشروط سمجھتے تھے۔ چناچہ فقہاء نے باتفاق کسی بھی علاقے کو دار الاسلام بننے کے لئے دو شرطیں ہی بیان کی ہیں:

(۱) حاکم کا مسلمان ہونا۔

(۲) احکام اسلامی کا اجراء

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"وبمجرد الفتح قبل اجراء احکام الاسلام لاتصیر دار لاسلام "[1]

"صرف فتح کے بعد احکامِ اسلام کے اجراء کے بغیر دارالحرب، دار لاسلام میں تبدیل نہیں ہوتا۔"

"وکذلك لو فتح المسلمون أرضاً من ارض العدو حتی صارت فی ایدیهم وهرب اهلها عنها۔ لانها صارت دار الاسلام بظهور احکام الاسلام فیها"۔

---

[1] مبسوط سرخسی ،ص32،ج10.

"اسی طرح اگر مسلمان دشمنوں کی کوئی زمین فتح کرلیں یہاں تک کہ وہ مسلمانوں کے ماتحت ہو جائے اور اس کے رہنے والے بھاگ جائیں (یعنی مغلوب ہو جائیں) تو یہ علاقہ احکام اسلام کے ظاہر ہونے سے دار الاسلام قرار پائے گا"۔[1]

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"دار الحرب تصیر دارالاسلام باجراء احکام اهل الاسلام فیها"[2]

"اور دار الحرب میں اہلِ اسلام کے احکامات جاری ہونے سے وہ دار الاسلام میں تبدیل ہو جاتا ہے۔"

امام علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی متوفی رحمۃ اللہ علیہ 587ھ ، اپنی شہرہ آفاق تصنیف "بدائع الصنائع" میں فرماتے ہیں:

"لاخلاف بین اصحابنافی ان دارالکفر تصیر دارالاسلام لظهور احکام الاسلام فیها"[3]

"ہمارے علماء میں اس بات کا کسی میں اختلاف نہیں ہے کہ دار الکفر، دار لاسلام میں تبدیل ہوتا ہے اس میں اسلامی احکام ظاہر ہونے سے۔"

"صارت الدار دارالاسلام بظهور احکام الاسلام فیها من غیر شریطة اخری"[1]

---

[1] شرح السیر الکبیر؛ج:2ص:185.

[2] فتاویٰ ابن عابدین شامی۔ص175،ج4.

[3] بدائع الصنائع۔ص130،ج7.

"دارالکفر، دارالاسلام میں تبدیل ہوتا ہے اس میں اسلامی احکام جاری ہونے سے دوسری کسی شرط کے بغیر۔"

کیا اب بھی مفتی صاحب کے ذہن میں کوئی "شبہ" باقی ہے.........؟؟

دار الاسلام کب دار الحرب بنتا ہے:

الحمد للہ! یہ تو واضح ہو چکا کہ دار الحرب کا کوئی بھی علاقہ اس وقت تک دار الاسلام قرار نہیں پا سکتا جب تک اس میں مکمل اسلامی احکام کا اجراء اور ظہور نہ ہو جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی وضاحت ہو جانی چاہیے کہ کوئی بھی علاقہ جو کہ دار الاسلام کا حصہ ہو وہ کب تک دار الحرب میں تبدیل نہیں ہوتا۔ چناچہ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب "رد المختار" میں لکھتے ہیں:

((لا تصير دار الاسلام دار الحرب الا بأمور ثلاثة باجراء احكام اهل الشرك وبا تصالها بدار الحرب، وبان لايبقى فيها مسلم او ذمى امنا بالامان الاول على نفسه))[2]

"دارالاسلام دارالحرب میں تبدیل نہیں ہوتا مگر تین چیزوں کے پائے جانے سے:

(۱) اہل شرک کے احکام جاری ہونے سے اور

(۲) اس شہر کا دارالحرب سے متصل ہونے سے اور

[1] بدائع الصنائع۔ص131،ج7.

[2] فتاویٰ شامی ،ص174،ج4.

(۳) یہ کہ وہاں کوئی مسلمان یا ذمی اپنی ذات اور دین کے اعتبار سے امن اول سے مامون رہے۔"

یہاں اہل شرک سے اہل کفر مراد ہیں یعنی اہل کفر کے احکام علی الاعلان بلاروک ٹوک جاری ہوں ، احکام اسلام وہاں جاری نہ ہوں اور دارالحرب سے متصل ہونے سے مراد یہ ہے کہ دونوں "دار" کے درمیان دار الاسلام (جس کی وضاحت اوپر کی جاچکی) کا کوئی اور علاقہ موجود نہ ہو اور امن اول سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کے سبب اور ذمی کو عہدِ ذمہ کی سبب کفار کے غلبے سے پہلے جو امن تھا وہ امن کفار کے غلبہ کے بعد مسلمان اور ذمی دونوں کے لئے باقی نہ رہے۔ یہ رائے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مذکورہ امور میں سے صرف ایک ہی امر سے دارالحرب بن جاتا ہے یعنی دارالاسلام میں صرف احکام کفر جاری ہونے سے وہ دارالحرب بن جاتا ہے اور یہی قول فقہ حنفی میں قرین قیاس ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وقال ابو یوسف رحمة الله علیه ومحمد رحمة الله علیه بشرط واحد لاغیر وهواظهار احكام الكفر وهو القياس"۔[1]

"اور امام ابو یوسف اور امام محمد: فرماتے ہیں کہ صرف ایک شرط محقق ہونے سے دار الحرب کا حکم کر دیا جائے گا اور وہ شرط یہ ہے کہ احکام کفر کو علی الاعلان جاری کر دیں اور قیاس (بھی فقہ حنفی کے نزدیک) اسی کا متقاضی ہے"۔

فیصلہ کن کلام:

[1] فتاوی عالمگیری بحوالہ تالیفات رشیدیہ بعنوان "فیصلة الاعلام فی دار الحرب ودار الاسلام"۔ ص:667.

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی:

"وعن ابي يوسف و محمد رحمهما الله تعالىٰ اذا اظهروا احكام الشرك فيها فقد صارت دارهم دار حرب ، لأن البقعة انما تنسب الينا او اليهم باعتبار القوة والغلبة، فكل مقضع ظهر فيها حكم الشرك فالقوة في ذلك الموضع للمشركين فكانت دار حرب وكل موضع كان الظاهر فيه حكم الاسلام فالقوة فيه للمسلمين "۔[1]

"امام ابو یوسف اور امام محمد ؒ سے منقول ہے کہ اگر دارالاسلام کے کسی علاقہ میں (حکام) احکام شرک کا اظہار کردیں (یعنی علی الاعلان نافذ کردیں) تو ان کا دار، دارالحرب ہو گا۔ اس لیے کہ کوئی بھی علاقہ ہماری یا ان (کفار) کی جانب قوت اور غلبہ ہی کی بنیاد پر منسوب ہوتا ہے۔ جس جگہ احکام شرک نافذ ہو جائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس جگہ مشرکین کو اقتدار اور قوت حاصل ہے، اس لحاظ سے وہ "دار الحرب" ہے۔ اس کے برعکس جس جگہ "حکم"، اسلام کا ظاہر اور غالب ہو تو وہاں گویا مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہے (اور وہ دار الاسلام ہے)"۔

مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اور جب کہ کفار اپنے احکام کو غلبہ و تسلط کے ساتھ علی الاعلان جاری کرتے ہوں اور مسلمان بلا اُن کی اجازت کے اپنے احکام علی الاعلان جاری رکھنے پر قدرت نہ رکھیں تو وہاں غلبۂ اسلام بالکل مرتفع اور زائل ہو گیا اور قیاس اسی کا مقتضٰی ہے جو حضرات صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد ؒ) فرماتے ہیں۔ کیونکہ جب کفار اس طرح مسلط ہو گئے کہ احکام کفر

[1] مبسوط سرخسی، ج:12ص:258۔بدائع الصنائع۔ص194، ج7.

اپنے غلبے سے علی الاعلان جاری کرتے ہیں اور اہل اسلام اس قدر عاجز و مغلوب ہو گئے کہ اپنے احکام کو جاری نہیں کر سکتے اور احکام کفر کو جو کہ اسلام کے لئے عار اور ننگ ہیں، دور نہیں کر سکتے تو اب کون سا درجہ اسلام کا باقی ہے کہ اس ملک کو دار الاسلام کہا جائے۔ بلکہ اس صورت میں تسلط اور غلبہ کفار انتہا کو پہنچ گیا اور یہ ملک دار الحرب ہو گیا"۔

کوئی بھی صاحب عقل شخص جس کی دل کی بصیرت کو اس دنیا کی چکا چوند زینت و آرائش نے اچک نہ لیا ہو، وہ ذرا ایک نظر مسلمانوں کے ممالک کہلانے والے علاقوں پر ڈالے تو وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکے گا کہ کس طرح ان علاقوں میں حکمرانوں کی طرف سے اپنے یا اغیار سے کے اخذ کردہ قوانین بلا روک ٹوک جاری ہیں اور دوسری طرف سلف کی بیان کردہ دار الاسلام کی تعریف کے مطابق کوئی بھی علاقہ دار الاسلام کہلانے کا مستحق نہیں ٹھہرتا۔

دار الامان کی حقیقت:

باقی وہ لوگ جو کہ صرف مسلمانوں کو "امن" اور دیگر شعائر اسلام (جمعہ و عیدین) کی ادائیگی کی اجازت دینے کی صورت میں کسی علاقہ کو (جیسا کہ آج کل ہندوستان، امریکہ اور دیگر یورپی ریاستوں کو) دار الامن یا دار العہد قرار دینے کی مردود کوشش کرتے ہیں تو باتفاق سلف و صالحین یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ دار الحرب میں "امن" تو مشروط ہی اس بات سے ہے کہ وہ دار الاسلام کی طرف سے دیا گیا ہو نہ کہ دار الحرب کی طرف سے از خود چند مسلمانوں کو امن دینے سے وہ "دار الامان" یا "دار العہد" قرار پا جائے گا۔

مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شہرہ آفاق فتوے "کیا ہندوستان دار الحرب ہے؟" میں فرماتے ہیں:

"اور جب یہ مسئلہ (کلی طور پر) محقق ہو چکا (کہ مسلمانوں کے غلبہ وشوکت کے ساتھ احکام اسلام کے اجراء سے کوئی علاقہ دار الاسلام بنتا ہے) تو اب ہندوستان کی حالت پر خود غور وفکر کر لیں کہ اس جگہ کفار ونصاریٰ کے احکام کا اجراء کس قوت وشوکت کے ساتھ ہے کہ اگر کوئی ادنیٰ کلکٹر یہ حکم کر دے کہ مساجد میں جماعت ادا نہ کرو تو کسی امیر وغریب کی مجال نہیں کہ ادا کر سکے، اور یہ جو کچھ ادائے جمعہ وعیدین اور عمل قواعد شرعیہ پر جو کچھ ہو رہا ہے محض ان کے قانون کی وجہ سے ہے کہ انہوں نے یہ حکم جاری کر دیا ہے کہ "ہر شخص اپنے اپنے مذہب میں آزاد ہے کسی کو اس سے مزاحمت کا حق حاصل نہیں ہے۔" اور سلاطین اسلام کا دیا ہوا امن جو یہاں کے رہنے والوں کو حاصل تھا اب اُس کا کہیں نام ونشان نہیں۔ کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ ہمیں جو "امن" شاہ عالم نے دیا ہوا تھا آج بھی اُسی امن کے ذریعے مامون بیٹھے ہوئے ہیں، بلکہ (اصل حقیقت حال یہ ہے کہ) امن جدید کفار سے حاصل ہوا ہے اور اسی نصاریٰ کے دیئے ہوئے امن کے ذریعے تمام رعایا ہندوستان میں قیام پذیر ہے......... بحر حال تسلط کفار کا ہندوستان پر اس درجہ میں ہے کہ کسی وقت بھی کفار کا تسلط کسی دار الحرب پر اس سے زیادہ نہیں ہوتا اور شعائر اسلامیہ جو مسلمان یہاں ادا کرتے ہیں وہ محض اُن (کفار) کی اجازت سے ہے ورنہ مسلمانوں سے زیادہ کوئی عاجز نہیں"۔ [1]

یہ بات جیسا کہ واضح کی جا چکی ہے کہ سلف وصالحین کے محکم کلام کو ان کے متشابہ اور مبہم کلام سے بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ اس سے اپنے باطل استدلال کے لئے مدد لی جا سکے۔ ایسا ہی کچھ مفتی صاحب نے کیا ہے۔ پہلے وہ اپنی کتاب میں دار الکفر کی دو اقسام بیان کرتے ہیں۔ پہلی قسم کے دار الکفر کی صفات کو اسطرح بیان کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ ہو اور نہ وہاں مسلمانوں کو امن کے

[1] تالیفات رشیدیہ بعنوان "فیصلۃ الاعلام فی دار الحرب ودار الاسلام"۔ ص:667، مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور.

ساتھ اپنے دینی شعائر قائم کرنے کی اجازت نہ ہو۔ پھر مفتی صاحب دار الکفر کی دوسری قسم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اور دارالکفر کی دوسری قسم وہ ہے جہاں اگر چہ حکومت تو غیر مسلموں کی ہے، لیکن وہاں مسلمان اپنے دینی شعائر قائم رکھنے میں آزاد ہوں، اور حکومت کی طرف سے اُن پر اپنے دینی احکام پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ ایسی جگہ کو''دار الامن''کہا جاتا ہے۔ ابتداء اسلام میں اس کی مثال حبشہ ہے''۔[1]

پھر مفتی صاحب نے مولانا محمد سہول عثمانی صاحب کا ایک اقتباس نقل کرکے ہندوستان کو''دار الامان''ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ عبارت کچھ یوں ہے:

''یہ بات ظاہر کردینا ضروری ہے کہ آج کل ہندوستان باستثناء اسلامی ریاستوں کے اگرچہ حضرت مجیب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ عبد العزیز اور بعض اکابر دیوبند کی تصریح کے مطابق ''دار الحرب'' ہے مگر'' واقعات'' سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دار الامان ہے۔ یعنی جس طرح سے حبشہ قبل ہجرت شریف کے باوجود دار الحرب ہونے کے دار الامان تھا، اسی طرح سے ہندوستان بھی آجکل دارالامان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں سے مسلمانوں کو ہجرت فرض نہیں ہے۔ کاتب الحروف کے استفسار کے بعد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی مشافہۃً فرمایا تھا جو بندے کو خوب اچھی طرح سے یاد ہے''۔[2]

مولانا محمد سہول عثمانی صاحب کے درج بالا اقتباس سے اولاً از خود یہ بات واضح ہورہی ہے کہ صرف مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ہی نہیں بلکہ ان سے پہلے کے اکابرین نے بھی ہندوستان کو دارالحرب

[1] اسلام اور سیاسی نظریات، ص:328۔ طبع جدید نومبر 2010ء۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی.

[2] اسلام اور سیاسی نظریات، ص:329۔ طبع جدید نومبر 2010ء۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی.

قرار دیا تھا۔ دوم یہ کہ ''واقعات'' سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان اکابرین مثلاً شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت مسلمانوں کے مجموعی حالات مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے بہت بہتر تھے، پھر بھی انہوں نے اس کو دارالحرب قرار دیا تھا تو کیا آج ہندوستان میں ''واقعات'' سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کے حالات شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے بہتر ہو گئے ہیں......؟؟ حقیقت یہ ہے کہ دل کی آنکھوں سے ہی نہیں بلکہ سر کی دو آنکھوں سے محروم شخص ہی ہندوستان کے مسلمانوں کے موجودہ ذلت آمیز حالات و ''واقعات'' سے آج منہ چرا سکتا ہے!

سوم یہ کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ کہنا کہ انہوں نے بالمشافہ اپنے اس فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا، بحر حال تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کسی کی تحریری گمراہی و کفر کے بارے میں اس کی موت کے بعد پتہ چلے کہ وہ اس سے رجوع کر چکا ہے، اس کو قبول کر لیا جاتا ہے اور اس کی تحریر سے اجتناب کرتے ہوئے اس کے ساتھ حسن ظن رکھا جاتا ہے اور اس کے لئے دعائے خیر کی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی عالم دین نے دین کے کسی اہم مسئلہ پر تحریری فتویٰ دیتے ہوئے شریعت کا ایک واضح حکم بیان کیا ہو اور سلف و خلف کی متفقہ آراء بھی اِس مسئلہ میں اُس کے موافق ہوں لیکن اس کی موت کے بعد کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس عالم دین نے اپنے اُس فتوے سے رجوع کر لیا تھا، تو اس کا یہ دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا......! بلکہ اس کا یہ دعویٰ اُس عالم دین سے حسن ظن کی بنیاد پر رَد کر دیا جائے گا۔

بالفرض اگر مان لیا جائے:

بالفرض اگر مان لیا جائے کہ ہندوستان ''دار الامان'' ہے جیسا کہ ہجرت حبشہ کی بے محل مثال دیتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ وہاں کفر کی حکومت باوجود مسلمانوں کو شعائر اسلام کی ادائیگی کی اجازت تھی لہٰذا علیٰ ہٰذا القیاس (جو کہ مردود ہے) ہندوستان بھی ''دار الامان'' ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایک وہ علاقہ جہاں ایک طرف کفار کی طرف سے مسلمانوں کو شعائر اسلام مثلاً جمعہ و عیدین اور دیگر انفرادی احکام کی پابندی کی اجازت ہو، لیکن دوسری طرف اسی دارالامان

پر حکمرانی کرنیوالے کفار، بلاد اسلامیہ کے دوسرے علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائیں، ان کی بستیوں کو تاراج کریں، ان کی کھیت کھلیانوں کو برباد کریں، ان پر آتش و آہن کی برسات کر دیں، لاکھوں مسلمانوں کو خاک وخون نہلا دیں........یا پھر اس دار الامان کے کفار اس کام میں دوسرے علاقے کے کفار کی مدد کر رہے ہوں تو کیا کفار کے ان علاقوں کو محض اس بنیاد پر کہ انہوں نے چند مسلمانوں کو چند شعائر اسلام کی ادائیگی کی اجازت اور امن دے رکھا ہے، دارالامان قرار دیا جاتا رہے گا........؟؟

اور دار الامان کے سلسلے میں ہجرت حبشہ کی جو مثال دی جاتی ہے، تو سوال یہ ہے کہ کیا حبشہ کے کفار نے مسلمانوں کے مقابلے میں قریش مکہ کا ساتھ دیا تھا اور ان کو پکڑ پکڑ کر کفار مکہ کے حوالے کر دیا تھا. یا انہوں نے دامے درمے سخنے مسلمانوں کی ہر ممکن مدد و نصرت کی تھی اور سب سے بڑھ کر بات یہ کہ شاہ حبشہ خود مسلمان ہو گئے تھے اور ان کے انتقال پر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے ان کا جنازہ ادا کیا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ چاہے ہندوستان ہو یا برطانیہ، یورپی ریاستیں ہوں یا کفار کے دوسرے ممالک، شاذ ہی کوئی ملک ایسا ہو، جس نے مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی کے نام پر "اقوام متحدہ " کے زیر سایہ پوری دنیا میں برپا کی جانے والی "صلیبی جنگ" میں کلیدی کردار ادا نہ کیا ہو یا اس میں کسی بھی طریقے کی فوجی، مالی، طبی اور لاجسٹک سپورٹ فراہم نہ کی ہو۔ خاص کر جس طریقے سے عالم کفر اور ان کے حاشیہ بردار کلمہ گو طواغیت نے امارت اسلامی افغانستان کے خلاف بالاتفاق "مشترکہ صلیبی جنگ" مسلط کی، اس کی مثال تاریخ انسانی میں کم ہی ملتی ہے۔ لہٰذا یہ دلیل ہی کلیۃً آج باطل و مردود ہو گئی۔

آخر میں اُن فتاویٰ کو نقل کر دینا بھی فائدے سے خالی نہیں، جو کہ مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے جاری کئے، تا کہ مفتی صاحب یا ان جیسے دیگر حضرات اُس "تلبیس" سے باہر نکل آئیں جس کا وہ شکار ہیں اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ علمائے حق نے کبھی بھی دار الحرب کو "دار الاسلام" کی طرف سے کئے گئے کسی معاہدے

کے علاوہ، صرف اس بنیاد پر ”دار الامان“ یا”دار العھد“ قرار نہیں دیا کہ وہاں کفار نے مسلمانوں کو چند مراسم عبودیت کے بجالانے کی اجازت دی رکھی ہے۔

مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ”کیا ہندوستان دار الحرب ہے؟“تو آپ نے جواب میں فرمایا:

”ہندوستان دار الحرب ہے، وہ اس وقت تک دار الحرب رہے گا جب تک اس میں کفر کو غلبہ حاصل رہے گا(کیونکہ)دار الحرب کی جس قدر تعریفات کی گئی ہیں اور جو شروط بیان کی گئی ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں“۔[1]

ایک اور جگہ مزید فرمایا:

”تو ہندوستان میں جس دن سے اقتدار اسلام ختم ہوا ہے جب ہی سے دار الحرب ہے ۔حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ ۱۸۰۳ء میں دار الحرب ہونے کا فتویٰ دیتے رہے، فتاویٰ عزیزیہ دیکھئے. اور ہمارے اکابر اسی وقت سے دارالحرب کا فتویٰ دیتے رہے اور آج بھی وہی حال ہے“۔[2]

مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور فتوے ”کیا ہندوستان دار الحرب ہے؟“میں فرماتے ہیں:

”خزانۃ المفتین میں ہے کہ کوئی دار الاسلام اُس وقت تک دار الحرب نہیں بن سکتا جب تک کہ اس میں احکام کفر علی الاعلان جاری نہ ہو جاویں اور وہ ملک دار الحرب کے متصل نہ ہو جائے کہ اس کے اور دار الحرب کے درمیان کوئی شہر بلاد مسلمین میں سے باقی نہ رہے

[1] فتاویٰ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، ص:141،142.
[2] فتاویٰ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، ص:142،143.

اور یہ کہ کوئی مسلمان یا ذمی رعایا امان سابق کے ساتھ اب بھی مامون و محفوظ نہ رہ سکے بلکہ ہر مسلمان اور ذمی کو اس ملک میں بسر بغیر امان دینے کفار کے نہ ہو سکے"۔[1]

مولانا شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور و معروف فتوے میں دار الاسلام اور دار الحرب کی تعریف کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"(ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ) اس ملک میں مسلمانوں کے امام کا حکم ہرگز جاری نہیں، نصاریٰ کے احکام کا حکم بے دغدغہ جاری ہے اور احکام کفر کے جاری ہونے سے یہ مراد ہے کہ مقدمات ملک و انتظام سلطنت و بندوبست رعایا و تحصیل خراج و باج و عشر اور اموال تجارت میں حکام بطور خود حاکم ہوں اور ڈاکوؤں اور چوروں کی سزا اور رعایا کے باہمی معاملات اور جرموں کی سزا کے مقدمات میں کفار کا حکم جاری ہو۔ اگرچہ بعض احکام اسلام مثلاً جمعہ و عیدین و اذان اور گائے کاٹنے میں کفار تعارض نہ کریں لیکن ان چیزوں کا اصل اصول ان (کفار) کے نزدیک بے فائدہ ہے کیونکہ وہ مسجدوں کا بے تکلف منہدم کر دیتے ہیں، جب تک یہ اجازت نہ دیں کوئی مسلمان اور کافر ذمی ان اطراف میں نہیں آسکتا۔

البتہ مصلحتاً وارد ین اور مسافروں اور تاجروں سے مخالفت نہیں کرتے، دوسرے امراء مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم بلا اجازت ان کے شہروں میں نہیں آسکتے اور اس شہر کلکتہ تک ہر جگہ نصاریٰ کی عملداری ہے۔ البتہ اپنے دائیں بائیں مثلاً حیدرآباد، لکھنؤ اور رام پور میں ان کا حکم جاری نہیں، کیوں کہ ان مقامات کے والیانِ ملک نے ان نصاریٰ سے صلح کر لی ہے اور ان کی فرماں برداری منظور کر لی (پس ثابت ہوا کہ ہندوستان دار الحرب ہے) کیونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ بنی یربوع "دار الحرب" ہے۔ حالانکہ جمعہ

[1] تالیفات رشیدیہ بعنوان "فیصلۃ الاعلام فی دار الحرب ودار الاسلام"۔ ص:565، مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور.

اور عیدین اور اذان اس جگہ جاری تھی مگر وہاں کے لوگوں کو حکم زکوٰۃ سے انکار تھا اور ایسا ہی اس کے اطراف وجوانب کے بارے میں حکم تھا کہ دار الحرب ہے حالانکہ ان شہروں میں بھی مسلمان آباد تھے۔ علیٰ ہذا القیاس بقیہ خلفائے کرام کے زمانے میں یہی طریقہ جاری رہا، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے زمانے میں یہ حکم فرمایا تھا کہ فدک اور خیبر کے علاقے دار الحرب ہیں، حالانکہ ان مقامات میں اہل اسلام کے تاجر بلکہ وہاں کے بعض باشندے بھی وادی قریٰ میں مسلمان تھے اور فدک و خیبر مدینہ منورہ سے نہایت متصل تھا''۔[1]

امید کی جاتی ہے کہ مفتیؔ صاحب کا یہ ''شبہ'' دور ہو گیا ہو گا کہ دار الامان، دارالحرب کے کفار کی طرف سے مسلمانوں کو امن دینے سے وجود میں نہیں آتا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو مکہ کبھی دار الحرب قرار نہیں پاتا کیونکہ آپ ﷺ نے دس سال مکہ میں ابو طالب کی دی ہوئی ''امان'' میں زندگی بسر کی اور ابو طالب کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کا مکہ میں رہنا ناممکن ہو گیا تھا۔ لہٰذا آپ طائف کی طرف اس خیال سے چلے گئے کہ شاید وہاں کے لوگوں کو یہ دعوت سمجھ آجائے مگر صورتحال بالکل مختلف نکلی۔ لہٰذا آپ نے مکہ واپس آنے کا ارادہ فرمایا مگر کسی کی ''امان'' کے بغیر یہ ممکن ہی نہیں تھا۔ اس لئے آپ نے ایک فرد کو مکہ مکرمہ کے ایک صاحب اختیار کے پاس بھیجا کہ شاید کہ وہ امان دے دے مگر اس نے انکار کر دیا۔ تو آپ نے دوبارہ اسی شخص کو ایک اور شخص کے پاس بھیجا کہ وہ مجھے امان دے دے مگر اس نے بھی انکار کیا۔ چناچہ آپ نے پھر اسی شخص کو مطعم بن عدی کے پاس بھیجا اور اس سے امان کی درخواست کی تو اس نے آپ کی یہ درخواست قبول کر لی چناچہ آپ ﷺ مطعم بن عدی کی دی ہوئی ''امان'' میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ''دار الامان'' دار الاسلام کی طرف سے ان علاقوں کو مشروط یا غیر مشروط امن دینے سے وجود میں آتا ہے جہاں کفار حکومت کر رہے ہوں. اور آخری غور طلب بات یہ کہ مسلمان

[1] فتاوی عزیزی، جلد اوّل، ص:35.

کے ساتھ ذمی کے بھی مامون و محفوظ رہنے کی جو شرط فقہاء کرام نے رکھی ہے، تو یہ بات تو کسی ادنیٰ سے طالبعلم سے بھی چھپی ہوئی نہیں ہے کہ "ذمی" دار الاسلام کے ماتحت ہوتا ہے نہ کہ دار الحرب کے "اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ "کیا یہ اب بھی عقل سے کام نہیں لیں گے........؟؟

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کے اقتباس کی اصل حقیقت:

مفتیؔ صاحب نے اپنی کتاب میں دارالاسلام کی "تعریف" بیان کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کو اس بات کی دلیل قرار دیا کہ مسلمان علاقوں پر حکومت کرنے والے حکمران اگر بالفعل احکام اسلام کا اظہار و اجراء نہ کریں بلکہ اس کی جگہ اپنے وضع کردہ قوانین کے مطابق حکومت کریں تب بھی یہ تمام علاقے ایک اعتبار سے دارالاسلام قرار پائیں گے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول یہ ہے:

"اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ شام میں جو جبل تیم اللہ کا علاقہ ہے جسکا نام جبل الدروز بھی ہے، وہ اور اُسکے تابع جو شہر ہیں، وہ سب دارالاسلام ہیں، کیونکہ اگرچہ ان علاقوں میں عیسائی اور دروزی حکام موجود ہیں، اور اُن کے قاضی بھی ہیں جو اپنے دین کے مطابق فیصلے کرتے ہیں، اور ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو علانیہ اسلام اور مسلمانوں کو برا بھلا کہتے ہیں، لیکن وہ ہمارے حکام کے ماتحت ہیں، اور اسلامی ممالک ہر طرف سے ان کو گھیرے ہوئے ہیں، اور اگر ولی الامر ان پر ہمارے احکام نافذ کرنا چاہے تو نافذ کر سکتا ہے"۔[1]

مفتیؔ صاحب دار الاسلام کی تعریف میں اس سے یہ نتیجہ کیا نکالتے ہیں:

"اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی ملک کے دار الاسلام ہونے کے لئے اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ اُس پر مسلمانوں کا اقتدار اور قبضہ مکمل ہے یا نہیں؟ اگر اقتدار مکمل ہے تو

[1] ردالمختار، ج:16، ص:101.

اُس ملک کو دار الاسلام کہا جائے گا، اور اس پر دار الاسلام کے احکام جاری ہوں گے، اگر چہ مسلمان حکمرانوں کی غفلت سے وہاں شریعت کا مکمل نفاذ ممکن نہ ہو سکا ہو"۔[1]

لیکن سمجھنے کی بات یہ ہے کہ دار الحرب کے دار الاسلام میں تبدیل ہونے اور اس کے برعکس دار الاسلام کے دار الحرب میں تبدیل ہونے کے درمیان فقہاء نے فرق رکھا ہے۔ دار الحرب باتفاق دو شروط یعنی مسلمانوں کے اقتدار اور احکام اسلام کے اجراء سے دارالاسلام بن جاتا ہے، جبکہ دار الاسلام کے کسی علاقے کے دار الحرب میں تبدیل ہونے میں فقہاء میں اختلاف ہے، کچھ تین شرائط یعنی احکام کفر کا کھلم کھلا ظہور، دارالحرب سے اتصال اور دار الاسلام کی طرف سے دیا گیا مسلمانوں اور ذمیوں کو امن کا ختم ہونا، جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں اور کچھ صرف ایک شرط یعنی احکام کفر و شرک کے علی الاعلان اظہار کو ہی دار الاسلام کو دار الحرب میں تبدیل ہونے کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا احناف کے نزدیک قرین قیاس موقف (جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں سمجھ آئے ہیں)۔

اب اگر کوئی دار الاسلام کے وجود میں آنے کی شرائط کو اس کے دار الحرب کی طرف لوٹ جانے کے شرائط سے خلط ملط کر دے تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ سرکاری علماء کا طریقہ واردات یہی ہے کہ وہ ایک محکم اور واضح مسئلہ کو عوام الناس کے سامنے قسم قسم کے حیلے بہانوں سے مبہم اور مختلف فیہ بنا دیتے ہیں ۔ چناچہ ہم علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا اقتباس اور اس پر مفتی صاحب کے کلام کو سلف کے محکم کلام کی طرف لوٹائیں گے تا کہ اس کا اصل مقصود سامنے آسکے۔

اولاً سب سے پہلے بات تو یہ واضح ہے کہ دار الاسلام کا وجود میں آنا صرف اس شرط کے ساتھ مقید نہیں ہے کہ وہاں مسلمانوں کا غلبہ ہو بلکہ اس کے ساتھ احکام شرعیہ کا اجراء بھی مشروط ہے۔ بقول امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کہ:

[1] اسلام اور سیاسی نظریات، ص:327۔ طبع جدید نومبر 2010ء۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی.

" وبمجرد الفتح قبل اجراء احکام الاسلام لاتصیر دار لاسلام "[1]

"صرف فتح کے بعد احکامِ اسلام کے اجراء کے بغیر دارالحرب، دارلاسلام میں تبدیل نہیں ہوتا۔"

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وفی عالمگیری من باب الاستیلاءالکفار اعلم ان دارالحرب تصیر دار الاسلام بشرط واحد وھو اظھار حکم الاسلام فیھا"[2]

"فتاوی عالمگیری میں باب استیلاء الکفار میں لکھا ہے کہ دار الحرب صرف ایک شرط پائے جانے سے دارالاسلام ہو جاتا ہے اور وہ شرط یہ ہے کہ دار الحرب میں اسلام کا حکم ظاہر کر دیا جائے"۔

دوم یہ کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ مذکورہ عبارت دارالاسلام کے کسی علاقے کو دار الحرب قرار دیئے جانے سے متعلق مسائل سے ہے۔ لیکن مفتی صاحب اس کو دار الحرب کے دار الاسلام بننے سے متعلق شرائط میں نقل کر رہے ہیں۔ فیاللعجب.........!!

سوم یہ کہ اس کلام میں دار الاسلام سے کسی ایک خاص علاقے کی صورت حال پر بات ہو رہی ہے ،نہ کہ دار الاسلام سے متعلق اصول وضوابط کی ،اور اس کے ساتھ مذکورہ علاقے کے بارے میں کچھ شرائط کی موجودگی کا بھی ذکر موجود ہے،جو کہ درج ذیل ہیں:

---

[1] مبسوط سرخسی ،ص32،ج10.

[2] بحوالہ فتاویٰ عزیزی،ص:553از شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ.

- جس مسئلہ کے بارے میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے اقتباس میں گفتگو کی ہو رہی ہے وہ دار الاسلام (جس کی تعریف ہم سمجھ چکے) کے ایک چھوٹے سے حصہ کو درپیش ہے۔ یہ نہیں ہے کہ پورے کا پورا دارالاسلام اس مذکورہ مسئلہ سے دوچار ہو گیا ہے۔

- شام کے مذکورہ علاقے کے جو حکام ہیں وہ دار الاسلام کے اولی الامر یعنی امام کے ماتحت ہیں، یعنی وہ اکیلے ہی کسی علاقے کے سیاہ و سفید کے مالک نہیں جیسا کہ عبارت سے یوں ظاہر ہے کہ......... "لیکن وہ ہمارے حکام کے ماتحت ہیں"......... نہ کہ کفر کے سرداروں سے منظور شدہ اور ان کے کلیۃً تابع جیسا کہ معاملہ آج کے بلاد اسلامیہ پر مسلط طواغیت کا ہے.........!!

- علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ اقتباس میں یہ بھی واضح ہے کہ مسلمانوں کا حاکم یعنی اولی الامر جب چاہے اپنے اختیار سے ان حکام کو معزول کرنے پر مکمل قادر ہے۔

- دار الاسلام کے دوسرے علاقے (یعنی جن علاقوں پر دار الاسلام کی تعریف صادق آتی ہو) انہوں نے اس مذکورہ علاقے کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہو جیسا کہ عبارت میں ہے کہ "اور اسلامی ممالک ہر طرف سے ان کو گھیرے ہوئے ہیں"۔ یہ نہیں کہ یہ مسئلہ تمام بلاد اسلامیہ پر محیط ہو گیا ہو کیونکہ اگر ایسی صورتحال پیدا ہو جائے تو پھر احکام ہی بدل جائیں گے۔ فقہاء نے اتصال دار الحرب ہونے کی جو شرط دار الاسلام کے دارالحرب میں تبدیل ہونے کے لئے لگائی ہے وہ سارے کے سارے بلاد اسلامیہ کے لئے نہیں ہے بلکہ کسی مخصوص شہر یا گاؤں کے لئے ہے جیسا کہ ہندوستان کی ایسی ہی صورتحال کے بارے میں مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"(ہندوستان میں) امن جدید کفار سے حاصل ہوا ہے اور اسی نصاریٰ (یا آج کے ہندوؤں) کے دیئے ہوئے امن کے ذریعہ تمام رعایا ہندوستان میں قیام پذیر ہے، لیکن اتصال بدار الحرب سویہ ممالک و اقالیم عظیمہ کے لئے شرط نہیں بلکہ گاؤں اور شہر وغیرہ

کے لئے شرط ہے جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہاں (یعنی دار الاسلام) سے مدد پہنچنا آسان ہے اور اگر کوئی کہے کہ اگر شاہ کابل یا شاہ روم کی طرف سے مدد پہنچ جائے تو کفار کو ہندوستان سے نکال سکتے ہیں مگر حاشاوکلا یہ بالکل صحیح نہیں بلکہ ان (کفار کا) کا اخراج ہندوستان (جیسے وسیع علاقے) سے سخت مشکل ہے، بہت بڑے جہاد اور عظیم الشان سامانِ جنگ چاہتا ہے۔ بہر حال تسلط کفار کا ہندوستان پر اُس درجہ میں ہے کہ کسی وقت بھی کفار کا تسلط کسی دارالحرب پر اس سے زیادہ نہیں ہوتا اور شعائر اسلامیہ جو مسلمان یہاں ادا کرتے ہیں وہ محض اُن کی اجازت سے ہے (اور یہی صورتحال آج بھی موجود ہے)، ورنہ مسلمانوں سے زیادہ عاجز رعایا کوئی نہیں ہے"۔[1]

اس ضمن میں مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور فتوے "کیا ہندوستان دار الحرب ہے؟" میں سے وہ اقتباسات پیش کر دیتے ہیں جو کہ انہوں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے اس اقتباس سے ماقبل اور اس کے بعد فرمائے تھے جو کہ مفتی صاحب نے نقل کیا ہے۔ تاکہ اس اقتباس کا صحیح محل و مقام واضح ہو جائے کہ یہ اقتباس دراصل دار الاسلام کے دارالحرب میں تبدیل ہونے کے مسئلہ سے متعلق ہے نہ کہ دار الحرب کے دار الاسلام کے بننے کے مسئلہ سے متعلق۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا اقتباس سے پہلے مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"خزانۃ المفتین میں ہے کہ کوئی دار الاسلام اُس وقت تک دار الحرب نہیں بن سکتا جب تک کہ اس میں احکام کفر علی الاعلان جاری نہ ہو جاویں اور وہ ملک دار الحرب کے متصل نہ ہو جائے کہ اس کے اور دار الحرب کے درمیان کوئی شہر بلاد مسلمین میں سے باقی نہ رہے اور یہ کہ کوئی مسلمان یا ذمی رعایا امان سابق کے ساتھ اب بھی مامون و محفوظ نہ رہ سکے بلکہ ہر مسلمان اور ذمی کو اس ملک میں (زندگی) بسر کرنا بغیر امان دینے کفار کے نہ

[1] تالیفات رشیدیہ بعنوان "فیصلۃ الاعلام فی دار الحرب ودار الاسلام"۔ ص:668.

ہو سکے........اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے سید امام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "آج کل (دار الاسلام کا)جو شہر کفار کے قبضے میں ہے بلاشبہ وہ ابھی تک دارالاسلام ہے کیونکہ ان میں احکام کفر(علی الاعلان) ظاہر نہیں ہوئے بلکہ قضاۃ و حکام وہاں مسلمان ہیں"۔تو اب یہ دیکھنا چاہیے کہ عبارت مذکورہ میں ان شہروں کے دارالاسلام ہونے پر یہ دلیل لائے ہیں کہ حکام وقضاء وہاں مسلمان ہیں جس کی وجہ سے احکام اسلام ان میں بدستور سابق باقی ہیں۔ دلیل میں یہ نہیں فرمایا کہ لوگ یہاں نماز پڑھتے ہیں اور جمعہ قائم کرتے ہیں ،کیونکہ اجرائے احکام (اسلام)سے مراد وہی اجراء ہے جو بطور غلبہ و شوکت کے ہو نہ یہ کہ اپنے دین کے مراسم وشعائر کو حاکم کافر کی رضاواجازت سے ادا کیا جائے......... "۔[1]

پھر اس کے بعد مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ اقتباس نقل کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں:

"ان دونوں روایتوں سے واضح ہو گیا کہ غلبہ کفار کے بعد کسی ملک کے دار الاسلام باقی رہنے کے لئے جو اجراء احکام اسلام (کی) شرط ہے اس سے یہی مراد ہے کہ بطریق غلبہ و شوکت احکام اسلامی جاری ہو سکتے ہوں"۔

مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے یہ بات واضح ہو گئی کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ اقتباس دار الاسلام کے کسی علاقے کے دارالحرب کی طرف لوٹ جانے کے مسئلہ سے متعلق ہے ،نہ کہ دار الحرب کے دارالاسلام بننے کے مسئلہ سے متعلق۔ آخر میں مفتیؔ صاحب کا یہ کلام بھی وضاحت طلب ہے جس کی رو سے انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کوئی بھی علاقہ جس پر مسلمان قابض

[1] تالیفات رشیدیہ بعنوان "فیصلۃ الاعلام فی دار الحرب ودار الاسلام"۔ص:667،مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور۔

ہوں اور بقول مفتیؔ صاحب "مسلمان حکمرانوں کی غفلت سے وہاں شریعت کا مکمل نفاذ ممکن نہ ہو سکا ہو۔" پھر بھی وہ علاقہ دار الاسلام کہلائے گا اور اس پر دار الاسلام کے احکام لاگو ہوں گے۔

سوال یہ ہے کہ حکمرانوں کی جس غفلت کا ذکر مفتیؔ صاحب کر رہے ہیں اس کا معیار اور مدت کیا ہے؟ کیا یہ غفلت اگر نسل ہائے نسل ہو اور پھر اس کی طوالت ایک صدی پر محیط ہونے کو ہو اور اس پر مستزاد یہ کہ خلاف شریعت کفریہ قوانین جاری کر دیئے گئے ہوں اور اس دوران ان کو اپنے زبان و قلم کے ذریعے "خواب غفلت" سے بیدار کرنے اور "کلمۂ حق" بلند کرنے کی پاداش میں نہ جانے کتنے ہی علماء حق کو ابدی نیند سلا دیا گیا ہو اور شریعت کا مطالبہ کے لئے میدان میں آنے والے علماء و طلباء کو خاک و خون میں نہلا دیا گیا ہو اور درندگی اور چنگیزیت کی انتہاء یہ ہو کہ شریعت کے نفاذ کے لئے آواز اٹھانے والی پاکیزہ اور طیبہ طالبات کو قرآن کریم کے مصاحف اور احادیث مبارکہ ﷺ سمیت فاسفورس بموں کے ذریعے ان کے جسموں کو جلا کر راکھ اور ہڈیوں کو چور چور کر دیا گیا ہو، پھر بھی ان حکمرانوں اور ان کی افواج کا دین و ایمان سلامت رہے گا اور یہ درباری علماء ان حکمرانوں اور ان کی افواج کے افعال قبیح کو غفلت سے تعبیر کرتے رہیں گے.........؟؟

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا کہ جو شخص کسی مسلمان کو اس کے اسلام کی بنیاد پر اور اس کے دین پر تمسک کی بنیاد پر جان بوجھ کر قتل کرتا ہے تو اس کے بارے میں شریعت اسلامیہ میں کیا حکم ہے؟ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أَمَّا إِذَا قَتَلَهُ عَلٰى دِيْنِ الإِسْلَامِ : مِثْلُ مَا يُقَاتِلُ النَّصْرَانِيُّ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى دِيْنِهِمْ ، فَهَذَا كَافِرٌ شَرٌّ مِّنَ الْكَافِرِ الْمُعَاهَدِ ، فَإِنَّ هَذَا كَافِرٌ مُحَارِبٌ بِمَنْزِلَةِ الْكُفَّارِ الَّذِيْنَ

يُقَاتِلُوْنَ النَّبِيَّ ﷺ وَأَصحَابَهُ ، وَهٰؤُلَاءِ مُخَلَّدُوْنَ فِي جَهَنَّمَ كَتَخْلِيْدِ غَيْرِهِمْ مِنَ الْكُفَّارِ .۔"[1]

"اور کوئی شخص کسی مسلمان کو(کسی دنیوی غرض یا لالچ کی بنیاد پر نہیں بلکہ)" دین اسلام "پر چلنے کی بنیاد پر قتل کر دیتا ہے جیسا کہ عیسائی مسلمانوں سے ان کے دین اور تہذیب کی بنیاد پر ہی جنگ کرتے ہیں تو ایسا شخص جو کہ محض دین اسلام کی بنیاد پر کسی مسلمان کو قتل کرے وہ کافر ہے۔ دین اور تہذیب کی بنیاد پر کسی مسلمان کو قتل کرنے والا کافر، اس کافر سے زیادہ خطرناک ہے جس کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا باہمی عہد وپیمان طے کیا گیا ہو۔ اس قسم کا کافر بالکل ان کافروں کی طرح ہی سمجھا جائے گا جو جناب محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ سے جنگ وقتال کیا کرتے تھے۔ اس قسم کے کفار ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے جس طرح دیگر کافروں کا یہی حکم ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔"

اس مسئلہ کو ہم مزید "طاغوت" کے باب میں واضح کریں گے۔

ظلم وفسق اور کفر وارتداد کے ساتھ حکومت کرنے والے کے درمیان فرق:

اب جبکہ ہم دار الاسلام اور دارالحرب کی تعریف اور اس کے ردو بدل کے احکامات سمجھ چکے ہیں، یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں ہم ظلم وفسق کے ساتھ حکمرانی کرنے والے اور اس کے برعکس کفر وارتداد کے ساتھ حکمرانی کرنے والے کے درمیان فرق کو شریعت کے احکامات کی روشنی میں واضح کر دیں کیونکہ شریعت کے احکامات کو توڑ موڑ کر اپنے باطل استدلال کے لئے دلائل اکٹھے کرنے والے، ان دونوں کے احکامات کو خلط ملط کر دیتے ہیں اور جو حکم ظلم وفسق کے ساتھ

---

[1] مجموع الفتاوی:1376/34،13.

حکومت کرنے والے اور اس کے خلاف خروج کے لئے شرائط کا لزوم ہونا جن فقہاء کے نزدیک ضروری ہے ،ان کے کلام کو کفر وارتداد کے ساتھ حکومت کرنے والے حکمرانوں پر بھی چسپاں کر دیتے ہیں حالانکہ ان فقہاء کے نزدیک بھی ظلم وفسق کے ساتھ حکومت کرنے والے اور کفر وارتداد کے ساتھ حکومت کرنے والے کے حکم میں واضح فرق ہے۔

یہ بات بھی یادرکھنی چاہیے کہ ہمارے سلف وصالحین میں ظلم وفسق کے ساتھ حکمرانی کے کرنے والے کی ولایت اور اس کے خلاف ''خروج'' میں اختلاف ہے، کیونکہ جمہور فقہاء اس کے لئے چند شرائط کا ہونا لازمی قرار دیتے ہیں، باقی رہا کفر وارتداد کے ساتھ حکومت کرنے والوں کا معاملہ تو ان کے خلاف ''خروج'' فقہاء کے نزدیک متفقہ ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

لیکن مفتیؒ صاحب کی تحریرات مثلاً ان کی کتاب ''اسلام اور سیاسی نظریات'' کے باب ''امام کے خلاف مسلح کاروائی یا خروج'' یا ان کی ایک اور کتاب ''قتل اور خانہ جنگی'' پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید انہیں ظلم وفسق اور کفر وارتداد کے ساتھ حکمرانی کرنے والوں کے شرعی حکم کے درمیان فرق کا علم نہیں یا پھر وہ شعوراً اس مسئلہ میں کتمان حق سے کام لے رہے ہیں۔ کیونکہ مفتیؒ صاحب نے ان دونوں طرز حکمرانی کے باب میں آنے والی احادیث اور سلف وصالحین کے کلام کو اس طرح خلط ملط کیا ہے کہ پڑھنے والا ان دونوں طرز حکمرانی کا حکم ایک ہی سمجھتا ہے ،اور وہ یہ کہ کسی بھی حکمران کے خلاف خروج جائز نہیں الا یہ کہ اس کے خلاف خروج کی طاقت ہو اور کسی اور بڑے فتنے یا فساد کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر کتاب کی طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم مفتیؒ صاحب کا پورا کلام یہاں نقل کرتے تاکہ بات کھل کر واضح ہو جائے لیکن پھر بھی ہم ان کا کچھ کلام یہاں نقل کر دیتے ہیں تاکہ قارئین کو حقیقت کا کچھ ادراک ہو سکے۔

مفتیؒ صاحب حکمران سے کفر بواح کے سرزد ہونے کی صورت میں فرماتے ہیں:

"صرف ایک صورت ایسی ہے جس کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلح خروج کے ذریعے امیر کا تختہ الٹنے کی اجازت دی ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (جو کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے جس بات پر بیعت لی، وہ یہ تھی کہ:

"علی السمع والطاعة فی منشطنا ومکرهنا وعسرنا ویسرنا وأثرة علینا وأن لا ننازع الأمر اهله الا ان تروا کفراًبواحا عندکم من الله فیه برهان"

یعنی "یہ کہ ہم سمع وطاعت سے کام لینگے، چاہے پسندیدگی کی حالت ہو یا ناپسندیدگی کی، تنگی ہو یا خوشحالی، اور چاہے ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جارہی ہو، اور اہل اقتدار سے اُس کے اقتدار میں جھگڑا نہیں کرینگے، الا یہ کہ تم ایسا کفر دیکھ لو جس کے بارے میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح ثبوت موجود ہو"۔

اس (حدیث) کا حاصل یہ ہے کہ امیر کے خلاف ہتھیار اُٹھا کر اُس کا تختہ الٹنے کی کوشش صرف اُس صورت میں کی جاسکتی ہے جب اُس سے کھلا کفر سرزد ہو جائے"۔[1]

پھر کفر بواح کی صورت میں مسلح خروج کے لئے دو شرائط کا ذکر فرماتے ہیں، جو کہ دراصل ظلم و فسق کی صورت میں مسلح خروج کے لئے ہیں:

"نیز دو شرطیں اور ظاہر ہیں، ایک یہ کہ اُس کو طاقت کے ذریعے ہٹادینے کی قدرت ہو، اور دوسرا یہ کہ اُس کو ہٹانے میں اور کوئی اُس سے بڑا مفسدہ پیش آنے کا اندیشہ نہ ہو"۔[2]

---

[1] اسلام اور سیاسی نظریات، ص:364۔ طبع جدید نومبر 2010ء۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی.

[2] اسلام اور سیاسی نظریات، ص:365۔ طبع جدید نومبر 2010ء۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی.

چنانچہ یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ظلم وفسق اور کفر بواح وارتداد کے ساتھ حکمرانی کے فرق کو شرعی طور پر واضح کیا جائے تاکہ آج امت مسلمہ اپنے سروں پر مسلط طواغیت کے بارے میں اصل حکم شرعی معلوم کر سکے اور سرکاری ودرباری علماء کے دجل وفریب سے بچ کر اپنے دین وایمان برباد ہونے سے بچا سکے۔

ظالم وفاسق حکمران کے بارے میں حکم شرعی:

اس سے پہلے کہ ہم اس مضمون سے متعلق کلام شروع کریں ظلم وفسق کے ساتھ حکومت کرنے والے شخص جس کو احادیث مبارکہ میں "امام جائر" کہا گیا ہے، اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات گرامی دیکھ لیتے ہیں تاکہ اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ رسول اللہ ﷺ جس "خلافت" کو قائم کر کے گئے تھے اس پر انہوں نے ظلم وفسق کے ساتھ حکومت کرنے والے کی امامت کو جائز تسلیم کیا ہے اور اس کی اطاعت کو معصیت کے علاوہ لازم قرار دیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے

((ألا من ولی علیه فرآه یاتی شیئا من معصیة الله، فلیکره مایاتی من معصیة الله ولا ینزعنّ یدا من طاعة))[1]

"جان لو کہ جس شخص پر کوئی حکمران بنا ہو، پھر وہ اس کو کسی "معصیت" کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھے تو جس معصیت کا وہ ارتکاب کر رہا ہے، اُسے برا سمجھے لیکن اطاعت سے ہرگز ہاتھ نہ کھینچے"۔

لیکن ایسے فاسق امام کو قابل اطاعت ہونے کے باوجود اس کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا بلکہ اس پر آخرت کے حوالے سے شدید وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

[1] صحیح مسلم، کتاب الامارة، رقم:4768.

امام جائر (ظالم حکمران) اللہ ورسول کی نظر میں:

رسول اللہ ﷺ نے امام جائر یعنی ظالم حکمران کے بارے میں فرمایا:

((ان شرالرعاء الحطمة، فایاك ان تکون منھم))[1]

"بدترین حاکم رعایاپر "ظلم" کرنے والے ہیں، پس تم اس بات سے بچو کہ تم ان میں سے ہو"۔

((وان شرالناس منزلة یوم القیمة امام جائرخرق))[2]

"اور لوگوں میں بدترین قیامت کے دن درجے کے اعتبار سے جھوٹا ظالم حکمران ہوگا"۔

((وان ابغض الناس الی اللہ یوم القیامة واشده عذابا امام جائر))[3]

"بے شک "ظالم" حکمران قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض اور اس کے شدید ترین عذاب میں مبتلا ہوگا"۔

((عن سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اشد الناس عذابا یوم القیمة امام جائر))[4]

---

[1] صحیح البخاری ومسلم، رواه البزار، مجمع الزوائدج:5ص:239.

[2] شعب الایمان ج:6ص16، رقم الحدیث7371.

[3] مسند احمد ج:3 ص:22، رقم الحدیث 11190.

[4] المعجم الاوسط ج:5ص:239رقم الحدیث5196، معجم ابی یعلی ج:1ص:129رقم الحدیث 192.

"قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں "ظالم" حکمران مبتلا کیا جائے گا"۔

((وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اشد اهل النار عذابا يوم القيامة من قتل نبيا أو قتله نبی أو امام جائر (وفی رواية) وامام ضلالة))

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل جہنم میں سب سے زیادہ عذاب روزِ قیامت اس کو ہو گا جس نے قتل کیا نبی کو یا نبی کے ہاتھوں قتل ہوا اور "ظالم حکمران" (ایک روایت میں ہے کہ) گمراہ کرنے والا حکمران"۔[1]

((مامن عبد يسترعيه الله رعيه يموت يوم يموت وهو غاش لرعيته الاحرم الله عليه الجنة))[2]

"اللہ جب کسی کو لوگوں پر حکمران بنا دیتا ہے اور وہ لوگوں کے ساتھ دھوکہ کر رہا ہو تو مرنے کے بعد اللہ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔"

((مامن امير يلى أمور المسلمين، ثم لا يجهد لهم، وينصح لهم، الا لم يدخل معهم الجنة))[3]

"جو بھی شخص مسلمانوں کا حکمران بنتا ہے ان کے مسائل حل کرنے کی کوشش نہیں کرتا اور ان کے ساتھ خیر خواہی نہیں کرتا تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہو گا"۔

---

[1] الطبرانی، مجمع الزوائد ج:5 ص:236، مسند البزار ورجاله ثقات۔

[2] بخاری، مسلم، ابن حبان۔

[3] صحیح مسلم۔

((وعن عبداللہ بن عمرو ان النبی ﷺ قال ثلاثة لاینظراللہ الیھم یوم القیامة ولایزکیھم ولھم عذاب الیم رجل اتی قوما علی اسلام دامج فشق عصاھم حتی استحلواالمحارم وسفکوالدماء وسلطان جائر))[1]

"حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین آدمیوں کی طرف اللہ تعالیٰ روزِ قیامت نہ تو نظر کرم فرمائے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کو شدید عذاب دے گا۔ ایک شخص جو کسی قوم میں داخل ہوا پکے اسلام کی حالت میں پھر ان کے گناہ اس پر حاوی ہو گئے یہاں تک کہ اس نے حرام کردہ چیزوں کو حلال جان لیا اور جس نے خون بہایا اور "ظالم" حکمران"۔

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ظلم واستبداد کے ساتھ حکومت کرنے والے کے بارے میں یہ ارشادات ہے تو کفر وارتداد کے ساتھ حکومت کرنے والے کے بارے میں کیا حکم ہو گا......؟؟

ظالم وفاسق حکمران کے بارے میں سلف وصالحین کا ذاتی طرز عمل:

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ان دعوك لتقرا علیھم: قل ھو اللہ احد، فلاتأتھم"[2]

"اگر (ظالم) حکمران تمہیں اس لئے بلائیں کہ تم انہیں (قل ھو اللہ احد) پڑھ کر سناؤ تو پھر بھی نہ جانا"۔

[1] رواہ الطبرانی فی الاوسط، مجمع الزوائدج:5ص:237، وفیه ابراھیم بن بشارالرمادی وھوصدوق کثیر الوھم وبقیة رجاله ثقات.

[2] بھیقی.

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

"ان فجار القراء اتخذوا الى الدنيا فقالوا: ندخل على الأمراء نفرج عن مكروب ونكلم في محبوس"

"فاجر علماء نے دنیا تک (رسائی کے لئے) ایک بہانہ ڈھونڈ لیا ہے اور کہتے ہیں: ہم حکمرانوں کے یہاں جائیں گے تاکہ کسی مصیبت زدہ کو نجات دلائیں اور کسی قیدی کی سفارش کریں"۔

ہارون الرشید کے دور میں جب امام اسماعیل بن علیہ بصرہ کے محصولات وصول کرنے کے ذمہ دار بنے تو امام ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو یہ اشعار لکھ کر بھیجے:

يا جاعل العلم له، بازياً يصطاد أموال المساكين

"اے علم کو اب اپنے لئے شکاری بنانے والے جو مساکین کے اموال شکار کرتا ہے۔

احتلت لدنيا ولذاتها بحيلة تذهب بالدين

"تو نے دنیا اور اس کی لذات کے لیے ایسا حیلہ کیا جس نے تیرے دین کا ستیاناس کر دیا ہے۔

فصرت مجنونا بها بعدما كنت دواءً للمجانين

"اور تو دنیا کا مجنوں بنا گیا حالانکہ ایک وقت تو خود مجانین کا علاج ہوا کرتا تھا۔

أين رواياتك في سردها عن ابن عون وابن سيرين

اور تمہاری وہ روایات کہاں ہیں جو تو نے ابن عون رحمۃ اللہ علیہ اور ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہیں۔

أين رواياتك فيما مضى   في ترك أبواب السلاطين

”اور تیری وہ روایات کہاں گئیں جو بادشاہوں کے دروازے چھوڑ دینے کے متعلق ہیں۔

ان قلت أكرهت فما ذكذا   زل حمار العلم في الطين

”اگر تو یہ عذر کرے کہ تو مجبور کر دیا گیا تھا تو یہ عذر لنگ ہے، سچی بات یہ ہے کہ علم کا گدھا کیچڑ میں پھسل گیا ہے۔

لا تبع الدين بدنيا كما   يفعل ضلال الرهابين

اپنے دین کو دنیا کے بدلے مت بیچ جیسا کہ گمراہ راہبوں نے کیا۔

سوچنے کا مقام ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور ہمارے اسلاف نے ظالم حکمرانوں کے پاس جانے سے علماء دین کو منع فرمایا ہے تو کیا اللہ اور اس کا رسول اس بات سے راضی ہوں گے کہ علماء کفر وارتداد کے حکمرانوں سے میل جور کھیں، ان کے ظلم پر خاموش رہیں اور ان کے سامنے کلمۂ حق کہنے کے بجائے ان کی حکمرانی کا دم بھرنا شروع کر دیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ”ظالم حکمران“ کیلئے یہ حکم جاری فرمایا تھا:

((عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ يكون في آخر زمان امراء ظلمة ووزراء فسقة وقاضة خونة وفقهاء كذبة فمن ادرك ذلك الزمان منكم فلايكون لهم جابيا ولاعريفا ولاشرطيا))[1]

[1] الطبراني في الصغير والأوسط، مجمع الزوائدج:5، ص:233، قال معاويه بن الهيثم لم اعرفه وبقية رجاله ثقات.

''حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا آخری زمانے میں ایسے حکمران آئیں گے جو ظالم ہوں گے اور ان کے وزراء فاسق ہوں گے اور قاضی خائن ہوں گے اور ان کے علماء جھوٹے''ہوں گے۔ سو تم میں سے جو ایسا وقت پائے وہ ہر گز کوئی ناظم یا سپاہی یا محصولات وصول کرنے والا نہ بنے''۔

((وعن ابی سعید رضی اللہ عنہ وابی هريرة رضی اللہ عنہ قالا قال رسول الله ليأتين على الناس زمان يكون عليهم امراء سفهاء يقدمون شرارالناس ويظهرون بخيارهم ويؤخرون الصلاة عن مواقيتها فمن ادرك ذلك منكم فلايكونن عريفاولاشرطيا ولاجابيا ولاخازنا))[1]

''حضرت ابی سعید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ان کے حکمران بیوقوف ہوں گے وہ بدترین لوگوں کو اپنے قریب کریں گے اور وہ نمازوں کو اس کے اوقات سے مؤخر کریں گے۔ سو تم میں سے جو ایسا وقت پائے وہ ہر گز کوئی ناظم یا سپاہی یا محصولات وصول کرنے والا یا خزانچی نہ بنے''۔

((عن أبي سعيد عن النبي صلى الله عليه وسلم قال يكون امراء يغشاهم غواش وحواش من الناس يكذبون ويظلمون فمن دخل عليهم فصدقهم بكذبهم واعانهم على ظلمهم فليس مني ولست منه ومن يدخل عليهم ويصدقهم بكذبهم ويعينهم على ظلمهم فهو مني وانا منه))[2]

---

[1] ابی یعلی، مجمع الزوائدج:5ص:240.

[2] مسند احمد وابو یعلی، مجمع الزوائد، باب فیمن یصدق الامراء بکذبهم ویعینهم علی ظلمهم ،ج:5ص:246.

"حضرت ابی سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آئندہ ایسے حکمران ہوں گے جن کے اردگرد حاشیہ بردار اور حاضر باش لوگ منڈلاتے رہیں گے، جھوٹ بولیں گے اور ظلم کریں گے۔ جو کوئی ان کے پاس گیا اور ان کے جھوٹ کی تصدیق کی اور ان کے ظلم میں معاونت کی تو نہ مجھ سے ہے اور نہ میں اس سے ہوں اور جو نہ گیا ان کے پاس اور نہ ان کے جھوٹ کی تصدیق کی اور نہ ان کے ظلم میں ان کی معاونت کی تو وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں"۔

حاصل کلام یہ کہ ظلم وفسق کے حامل حکمران کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لینے سے تو منع فرمایا ہے مگر حکمران کی معصیت اور ظلم میں معاونت کرنے والے سے اظہارِ بیزاری کیا۔

ظالم وفاسق حکمران کے خلاف خروج کے بارے میں سلف کا مؤقف:

اہل سنت والجماعت کے جمہور فقہاء نے خلیفہ کے خلاف جبکہ وہ ظالم و فاسق ہو اور ابھی کسی کفر وارتداد کا ظہور بھی اس سے نہ ہوا ہو تو اس کے خلاف خروج کو اس وقت تک جائز نہیں سمجھا جب تک وہ قوت حاصل نہ ہو جائے جس میں غالب امکان یہ ہو کہ اس خروج کے ذریعے بغیر کسی بڑے خون خرابے کے خلیفہ وقت کو تبدیل کیا جاسکے گا۔ اس شرط کی دو بنیادی وجوہات تھیں۔ اول یہ کہ خلافت کی سرحدوں کی وسعت کے لئے اس کی سرحدوں پر مستقل جہاد چل رہا ہوتا تھا، اگر تو بغیر معتدبہ قوت کے مسلح خروج کیا جاتا تو اس سے شدید خانہ جنگی کا خدشہ ہو جاتا جو کہ اسلامی سرحدات پر جاری جہاد پر اثر انداز ہونے اور کفار کے دار الاسلام کے بعض علاقوں پر قبضے کی صورت میں نکل سکتا تھا۔ دوم یہ کہ "عمارتِ خلافت" اپنی جگہ قائم تھی صرف خلیفہ کی ذات میں ظلم وفسق ظاہر ہو جاتا تھا، جو کہ متعدی نہ ہوتا (جس کی وضاحت آگے آئے گی)۔ لہٰذا اگر کسی بڑی خونریزی کا اندیشہ نہ ہو اور معتدبہ طاقت موجود ہو تو اس کے خلاف خروج جائز ہے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کچھ لوگ کہتے ہیں جب تک امام کفر نہ کرے اسے ہٹایا نہیں جائے گا یا نماز ترک نہ کرے یا اور کوئی شریعت کا کام ترک نہ کر دے جیسا کہ عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: الا یہ کہ تم امام میں واضح کفر دیکھ لو جس پر تمہارے پاس دلیل ہو''۔[1]

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''ابن التین نے داؤدی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ امراءِ ظلم کے بارے میں علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر بغیر فتنہ اور ظلم کے اس کو ہٹانا ممکن ہو تو ضروری اور واجب ہے ورنہ صبر واجب ہے بعض نے کہا کہ فاسق کو حکومتی عہدہ دینا ہی جائز نہیں ہے اگر عہدہ حاصل کرنے کے بعد ظلم کیا تو اس کے ہٹانے میں اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ بغاوت سے منع ہے جب تک کہ اس سے واضح کفر صادر نہ ہو''۔[2]

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

''(عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کے) اس قول کہ ''کیا ہم ان سے قتال نہ کریں۔ فرمایا نہیں جب تک نماز پڑھتے رہیں'' کا مطلب یہی ہے کہ خلفاء پر صرف ظلم و ستم کی بناء پر خروج جائز نہیں جب تک شریعت کے قواعد میں سے کسی قاعدے کو تبدیل نہ کریں''

علامہ ابن ابطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''سلطان چاہے ظالم ہی کیوں نہ ہو، اس کے خلاف مسلح بغاوت نہ کی جائے اور فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو سلطان زبردستی حاکم بن بیٹھا ہو تو (صحیح احادیث کے مطابق جائز

---

[1] قرطبی:2/115-116.

[2] فتح الباری:13/8.

امور میں) اس کی اطاعت واجب ہے، اور اس کے ساتھ مل کر جہاد بھی مشروع ہے، اور یہ کہ اس کی اطاعت مسلح بغاوت سے بہتر ہے کیونکہ اسی طریقے میں خونریزی سے بچاؤ اور مصیبتوں کا ازالہ ہے"[1]

لیکن کچھ فقہاء بعض احادیث کی بنیاد پر یہ کہتے ہیں خلیفہ وہ ہی ہوتا ہے جو کہ عادل ہو اور ظلم و فسق سے نجات دلانے والا ہو لہذا اگر وہ ان مقاصد کو پورا کرنے میں ناکام رہے تو اس کو وہ فوراً تبدیل کرنے اور اس کے جگہ دوسرے خلیفہ کو مقرر کرنے کو وہ ضروری قرار دیتے ہیں۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ البقرۃ کی آیت ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾ "میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا"۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"ابن خویز منداد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے جو بھی "ظالم" ہوتا ہے وہ نہ نبی بنتا ہے نہ خلیفہ نہ حاکم نہ مفتی نہ نماز کے امام نہ اس کی روایت قبول کی جاتی ہے نہ احکام میں اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔ جب تک اپنے فسق کی وجہ سے معزول نہ کر دیا جائے اہل حل وعقد اس کو معزول کر دیں"۔[2]

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

"جب امام کا تقرر ہو جائے اور اس کے بعد وہ فسق کرے تو جمہور کہتے ہیں اس کی امامت فسخ ہو جائے گی اس کو ہٹا کر کسی اور کو امام بنایا جائے گا اگر اس نے فسق ظاہری اور معلوم کا ارتکاب کیا ہو۔ اس لیے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ امام کا تقرر مقصد کے لیے ہوتا ہے جیسے حدود کا نفاذ اور حقوق کی ادائیگی و تحفظ، یتیموں کے مال کی حفاظت، مجرموں پر نظر رکھنا

---

[1] فتح الباری.

[2] قرطبی: 2/115-116.

وغیرہ۔ مگر جب وہ خود فاسق ہو گا تو ان امور کی انجام دہی نہیں کر سکے گا۔ اگر ہم فاسق کے لیے امام برقرار رکھنا جائز قرار دیدیں تو جس مقصد کے لیے امام بنایا جاتا ہے وہ مقصد باطل ہو جائے گا اسی لیے تو ابتداء ہی سے فاسق کا امام کے لیے تقرر جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے مقصد امامت فوت ہو جاتا ہے"۔[1]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ظالم حکمران کو اختیارات کے استعمال سے روک لینا چاہیے۔ وہ معزول کیے جانے کے لائق ہے حکمران بنائے جانے کے نہیں"۔[2]

ظالم اور فاسق حکمران کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب:

بعض لوگ فاسق حکمران کے باب میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ مغالطہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ ظالم و فاسق حکمران کے خلاف کسی بھی صورت میں خروج کو ناجائز اور حرام سمجھتے تھے۔ سب سے پہلے بات تو یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ان کا یہ موٴقف جھوٹ اور بہتان پر مبنی ہے۔ ظالم اور جائز حکمرانوں کے بارے میں بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ تھا:

"وکان مذهبه مشهورا فی قتال الظلمة وائمة الجور"۔[3]

"ظالم اور جائز اماموں سے قتال کے بارے میں ان کا (یعنی ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) کا مذہب مشہور تھا"۔

---

[1] قرطبی :1 /286-287.

[2] احیاء العلوم :111/2.

[3] احکام القرآن لجصاص رحمۃ اللہ علیہ، ج:2،ص:31.

چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور میں "ظالم وفاسق حکمران" کے خلاف خروج کے لئے طاقت کی شرط عائد کرنے کے باوجود، اگرچہ خود تو شرکت نہیں کی لیکن خرورج کرنے والوں کے لئے، جبکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اندازہ تھا کہ یہ خروج میں کامیاب نہیں ہوں گے، ان کی ہر ممکن مالی مدد کی اور ان کے حق میں فتاویٰ بھی جاری فرمائے:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت ابراہیم الصائغ رحمۃ اللہ علیہ نے حاکم وقت کے خلاف خروج میں مدد ونصرت کے لئے دعوت دی تھی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس ملاقات کا ذکر فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

"فسالنی عن الامر بالمعروف والنھی عن المنکر الی ان اتفقنا علیٰ انه فریضة من اللّٰه تعالیٰ فقال لی مدیدك حتی ابایعك"[1]

"انہوں نے مجھ سے امر المعروف اور نہی عن المنکر کے حکم کے بارے میں پوچھا تو ہم نے اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہونے پر اتفاق کیا تو انہوں نے مجھے کہا کہ ہاتھ بڑھایئے، میں آپ کے ہاتھ پر (اس فریضے کی ادائیگی کی) بیعت کرتا ہوں"۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"قال دعانی الیٰ حق من حقوق اللّٰه فامتنعت علیه وقلت له ان قام به رجل وحده قتل ولم یصلح للناس امر ولکن ان وحد علیه اعواناصالحین ورجلاً برأس علیھم مائموناً علیٰ دین اللّٰه لایحول"[2]

[1] احکام القرآن لجصاص رحمۃ اللہ علیہ، ج:2، ص:34.

[2] احکام القرآن لجصاص رحمۃ اللہ علیہ، ج:2، ص:35.

”انہوں نے مجھے حقوق اللہ میں سے ایک حق (فریضے) کی طرف دعوت دی۔ میں رُک گیا اور ان سے کہا کہ اگر اکیلا آدمی اس کام (یعنی خروج) کے لئے کھڑا ہو گا تو قتل کر دیا جائے گا اور لوگوں کے (اجماعی) معاملہ کی اصلاح بھی نہ ہو گی، لیکن اگر اسے (خروج کے لئے) نیک وصالح معاونین اور قیادت کرنے والا مل جائے تو کوئی حرج نہیں ہے“۔

لیکن بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا ذکر مولانا مناظر حسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے کہ بالآخر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ابراہیم الصائغ رحمۃ اللہ علیہ کی حمایت کھلے عام کرنے لگے اور لوگوں کو بھی اس اہم فریضے کی ادائیگی کے لئے دعوت دیتے رہے:

”الیافعی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی حمایت کے لئے لوگوں کو علی الاعلان جہاد پر ابھارتے تھے اور لوگوں کو حکم دیتے تھے کہ ان کے ساتھ ہو کر حکومت کا مقابلہ کرو۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کی حمایت میں بڑے شد و مد کے ساتھ بولنے لگے تھے۔ کوفہ کے مشہور محدث ابراہیم بن سوید رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ابراہیم بن عبد اللہ کے خروج کے زمانے میں دریافت کیا کہ فرض حج ادا کرنے کے بعد آپ کا کیا خیال ہے کہ (نفلی) حج کرنا زیادہ بہتر ہے یا اس شخص یعنی ابراہیم کی رفاقت میں حکومت سے مقابلہ کرنا زیادہ ثواب کا کام ہے؟ ابراہیم بن سوید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ غور کے ساتھ میں نے دیکھا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ: اس جنگ میں شرکت ایسے پچاس حج سے زیادہ افضل ہے“۔[1]

اسی طرح استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ نیوٹاؤن، مولانا فضل محمد حفظہ اللہ اپنی کتاب ”دعوت جہاد“ میں نقل کرتے ہیں:

---

[1] بحوالہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی زندگی، مؤلف سید مناظر حسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ص:343.

''مصیصہ چھاؤنی کے ایک کمانڈر کا بھائی ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہو کر حکومت کی فوجوں کے ہاتھوں سے مارا گیا۔اس کا بھائی مصیصہ سے آیا اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملا اور کہا کہ ''میرے بھائی کو آپ نے ابھارا اور وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا، یہ آپ نے بہت بُرا کیا ''۔امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں تو چاہتا تھا کہ کفار کے مقابلہ سے دست کش ہو کر تم یہاں آجاتے اور تمہارا بھائی جہاں ''شہید ''ہوا تھا وہیں پر تم بھی شہید ہو جاتے تو یہ اس سے بہتر ہو تا جو تم کفار کے مقابلے میں مصیصہ میں تھے اور تم جو جہاد کر رہے ہو اس سے مجھے یہ زیادہ پسند ہے جس میں تمہارا بھائی مارا گیا''۔[1]

اور جب آپ کو ابراہیم الصائغ رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے لئے قینچی کی طرح زبان نہیں چلائی جس طرح آج کے علمائے سوء طواغیت کے خلاف خروج کے لئے نکلنے والوں کے لئے چلاتے ہیں کہ ان کے لئے خارجی، باغی اور گمراہ کے فتاویٰ جاری کرتے ہیں بلکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا طرز عمل ہم نے اوپر ملاحظہ کر لیا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم الصائغ رحمۃ اللہ علیہ کے خروج کو ''حقوق اللہ ''میں سے شمار کیا اور ان کی شہادت خبر ملنے پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیت یہ تھی کہ جس کے بارے میں امام ابو بکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

'' لما بلغ ابا حنیفة قتل ابراهیم الصائغ بکیٰ حتیٰ ظننا انه سیموت مخلوت به فقال کان واللہ عاقلاً ولقد کنت اخاف علیه هذاالامر''۔[2]

''جب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ابراہیم الصائغ رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ اس قدر روئے کہ ہم نے سمجھا کہ وہ اسی میں آپ کی موت واقع ہو جائے گی، پھر فرمایا کہ اللہ کی قسم !وہ صاحب عقل آدمی تھے اور مجھے ان پر اسی بات کا خوف تھا''

[1] دعوت جہاد از مولانا فضل محمد، ص:142 تا 144.

[2] احکام القرآن لجصاص رحمۃ اللہ علیہ، ج:2،ص:33.

ایک اور روایت میں ہے کہ:

"امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف (جبکہ معتد بہ قوت ہو) بغاوت کرنی چاہیے جیسا کہ ابو اسحاق الفزاری نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ کو اللہ کا ڈر نہیں ہے کہ میرے بھائی کو ابراہیم (ابراہیم بن عبداللہ بن الحسن ہیں) کی معیت میں (خلیفہ کے خلاف) بغاوت پر اکسایا، آمادہ کیا؟ امام صاحب نے کہا کہ اگر وہ بدر میں مارا جاتا تو؟ اللہ کی قسم میرے نزدیک یہ بدر صغری ہے"۔[1]

اس کے علاوہ جب زید بن علی نے ظالم حکمران کے خلاف خروج کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کا عمل کیا تھا ؟ امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقضية فی امر زيد بن علی مشهورة وفی حمله المال اليه وفتياه الناس سراً فی وجوب نصرتة والقتال معه"۔[2]

"زید بن علی (کے خروج) کے معاملے میں ان (امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) کا طرز عمل مشہور ہے۔ ان کو (اس خروج کے لئے) مال دینے اور لوگوں کو مخفی طور پر ان کی نصرت کے وجوب اور ان کے ساتھ مل کر قتال کرنے کے فتوے کے بارے میں بھی ان کا طرز عمل مشہور ہے"۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا طرز عمل ملاحظہ کیجئے اور آج کے درباری و سرکاری علماء کا عمل بھی سامنے رکھیئے، جب بھی کوئی گروہ ظالم و فاسق حاکم سے بڑھ مسلمانوں کے سروں پر مسلط طواغیت کے خلاف خروج کے لئے نکلتا ہے تو ان کا کام صرف "کانفرنس" منعقد کرنا رہ جاتا ہے۔ کبھی یہ طواغیت

---

[1] شذرات الذهب: 44/1، تاریخ بغداد: 384/13.

[2] احکام القرآن لجصاص رحمۃ اللہ علیہ، ج:2، ص:32.

کے ساتھ کھڑے "پریس کانفرنس" کرتے ہوئے ان کو اپنی پوری مدد وحمایت کی یقین دہانی کراتے ہیں اور کبھی "سیرت کانفرنس، وحدت ملت کانفرنس، امن کانفرنس" کے نام پر عوام الناس کو خروج کرنے والوں کی اعانت سے روکنے کے لئے مختلف حیلے اور بہانے بناتے نظر آتے ہیں۔

کفر وارتداد کے مرتکب حکمران کے بارے میں سلف کا متفقہ فیصلہ:

لیکن جب عمارتِ خلافت کی موجودگی میں بھی خلیفہ صریح کفر وارتداد میں مبتلا ہو جائے تو سلف وخلف سب نے بالاتفاق اس کو واجب العزل قرار دیا اور اس کے خلاف خروج کو "فرضِ عین" قرار دیتے ہوئے اس کو "جہاد فی سبیل اللہ" سے تعبیر کیا جو کہ ہر قدرت رکھنے والے مسلمان پر واجب ہو جاتا ہے اور جو قدرت نہ رکھتا ہو اس کے لئے اس سرزمین سے ہجرت کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

> "اگر یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد کسی اور کو حلال حرام قرار دینے کا حق ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نہیں تھا۔ یا کسی حد کو لازمی قرار دے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھی یا ایسا شرعی قانون بناتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نہیں تھا تو وہ شخص کافر مشرک ہے اس کی جان ومال کا حکم مرتد کا ہے"۔[1]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> "خلاصہ کلام یہ کہ اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ حکمران کفر کی بناء پر (از خود) معزول ہو جاتا ہے اور ہر مسلمان پر اس کے خلاف خروج میں حصہ ڈالنا واجب ہو جاتا ہے۔ پھر جو اس کی قدرت رکھے اور اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہو وہ ثواب کا مستحق ہوگا، اور جو کوئی (قدرت کے باوجود) مداہنت ومصالحت کا رویہ اپنائے وہ گناہ گار ٹھرے گا اور جو کوئی اس

[1] مجموع الفتاوی: 524/28.

کافر حکمران کے خلاف اٹھنے کی قدرت نہ رکھے، اس پر واجب ہے کہ وہ اس سرزمین سے ہجرت کر جائے"۔ [1]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اجمعوا علی ان الامامة لا تنعقد لکافر ولو طرأ علیه الکفر انعزل وکذا لوترك اقامة الصلوات والدعاء الیها وکذا البدعة"[2]

"اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ کوئی کافر مسلمانوں کا حاکم نہیں بن سکتا اور حاکم بننے کے بعد کفر کا ارتکاب کرے تو معزول قرار پائے گا۔ اسی طرح اگر وہ نماز قائم کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا چھوڑ دے یا بدعت جاری کرے تب بھی اس کو یہی حکم ہے"۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ کوئی کافر مسلمانوں کا امام (حکمران) نہیں بن سکتا اور اسی طرح اگر امام بننے کے بعد کوئی حاکم (قولی یا فعلی کفر وارتداد کی وجہ سے) کافر ہو جائے تب بھی فوراً معزول ٹھیرے گا۔ نیز اگر وہ نماز قائم کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا چھوڑ دے تب بھی معزول قرار پائے گا"۔[3]

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

---

[1] فتح الباری،123/13.

[2] مرقاۃ المفاتیح؛ج:11،ص:303.

[3] شرح النووی رحمۃ اللہ علیہ علی مسلم؛ج:6،ص:314.

”اگر کوئی حکمران کفر کا ارتکاب کرے، یا شریعت میں کوئی ردوبدل کرے، یا کوئی بدعت جاری کرے تو وہ بطور حکمران باقی نہیں رہتا، اس کی اطاعت ”ساقط“ ہو جاتی ہے اور مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے کہ اگر وہ قدرت رکھتے ہوں تو اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اسے ہٹا کر اس کی جگہ کوئی عادل حکمران مقرر کریں۔ نیز اگر پوری امت میں سے محض کوئی ایک گروہ یہ قدرت رکھتا ہو تو اس گروہ پر واجب ہو گا کہ وہ اس کافر حاکم کو اس کے منصب سے ہٹائے۔ یہ تو کافر حکمران کا معاملہ تھا، رہا بدعتی حکمران کو ہٹانا، تو تبھی واجب ہو گا جب اس بات کا غالب امکان ہو کہ اس پر غلبہ پالیا جائے گا۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ مسلمان (بدعتی حکمران کے خلاف) اتنی قدرت بھی نہیں رکھتے تو ایسے حکمران کے خلاف خروج واجب نہیں ہو گا۔ ایسی صورت میں ایک مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ اور وہ اپنے دین کو بچاتے ہوئے اس سرزمین سے نکل جائے“۔[1]

امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

” اسلام ہی اصل ہے بالفرض اگر کوئی امام دین سے نکل جائے تو اس کے منصب چھیننے اور امامت کے انقطاع اور منصب سے معزولی کو مخفی نہیں رکھا جائے گا“۔[2]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اگر کوئی ایسا شخص حکمران بن جائے جس میں تمام شروط مکمل طور پر نہیں پائی جاتیں تو اسکی مخالفت میں جلدی نہیں کرنی چاہیے اس لئے کہ اس مخالفت سے ملک میں لڑائی جھگڑے فسادات پیدا ہوں گے جو کہ ملک و قوم کے مصلحت کے خلاف ہے بلکہ بہت زیادہ بگاڑ کا سبب بنیں گے لیکن اگر حکمران نے کسی اہم ”دینی امر“ کی مخالفت کی تو اس کے

---

[1] شرح النووی رحمۃ اللہ علیہ علی مسلم؛ج:6،ص:314.

[2] غیاث الامم،ج:1ص:75.

خلاف قتال جائز ہو گا بلکہ واجب ہو گا۔ اس لئے کہ اب اس نے اپنی افادیت ختم کر دی ہے اور قوم کے لئے مزید "فساد و بگاڑ" کا سبب بن رہا لہٰذا اس کے خلاف قتال "جہاد فی سبیل اللہ" کہلائے گا۔"[1]

مفتی صاحب اور ان جیسے اہل علم کو چاہیے کہ وہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے درج بالا کلام کو بار بار پڑھیں کہ وہ کفر بواح کے مرتکب حکمران کے خلاف مسلح خروج کو "جہاد فی سبیل اللہ" سے تعبیر کر رہے ہیں اور اس کا مسند اقتدار میں مزید بیٹھے رہنے کو "فساد و بگاڑ" سے تعبیر کر رہے ہیں۔

ایک ابہام کا ازالہ:

یہاں ایک ابہام جسے دور کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ بعض احادیث نبویہ ﷺ جس میں ظالم حکمران کے خلاف خروج کرنے اور ان کے خلاف تلوار اٹھانے سے اس وقت تک نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا تھا جب تک کہ وہ مسلمانوں میں نظام صلوۃ کا قیام کرتے رہیں۔ مثلاً:

(وعن عوف بن ملك رضي الله عنه قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: ''خيار أئمتكم الذين تحبون ويحبونكم ،وتصلون عليهم ويصلون عليكم، وشرار ائمتكم الذين تبغضونهم ويبغضونكم وتلعنونهم ويلعنونكم!'' قال: قلنا يا رسول الله !افلاننا بذهم ؟ قال: ''لا، ما اقاموا فيكم الصلاة، لا، ما اقاموا فيكم الصلاة)[2]

"حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں

---

[1] حجة الله البالغة، ج:2ص:399.

[2] صحيح مسلم.

۔تم ان کے حق میں دعاء کرو اور وہ تمہارے حق میں دعاء کریں اور بدترین حکمران تمہارے وہ ہیں جن کو تم ناپسند کرو اور وہ تمہیں ناپسند کریں، تم ان پر لعنت کرو اور وہ تمہارے اوپر لعنت کریں۔راوی کہتے ہیں ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم ان کی بیعت توڑ کر ان کے خلاف بغاوت نہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے رہیں، نہیں جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے رہیں"۔

ایک اور روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

((افلاننابذھم بالسیف؟فقال لا ماالصلاۃ))

"کیا ہم ان کے ساتھ تلوار سے جنگ نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں"۔

((عن ام سلمة أن رسول اللهﷺقال ثم ستكون امراء فتعرفون وتنكرون فمن عرف برئ ومن انكر سلم ولكن من رضى وتابع قالوأفلا نقاتلهم قال لاماصلوا))[1]

"ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: تم پر ایسے امیر مقرر ہو جائیں گے تم ان کی کچھ باتوں کو اچھا سمجھو گے اور کچھ کو برا۔ جس نے پہچان لیا وہ ان سے بری ہوا، جس نے ان کا انکار کیا وہ سالم رہا اور جو راضی ہوا اور تابعداری کی (وہ ہلاک ہوا)۔ پوچھا گیا کیا ہم ان سے قتال نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں"۔

ان احادیث کی وضاحت تو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے ہی ہو جاتی ہے کہ:

---

[1] صحيح مسلم، برقم الحديث: 1854.

"واما قوله: ((افلا نقاتلهم قال لا ماصلوا" ففيه معنى ماسبق أنه لايجوز الخروج على الخلفاء بمجرد الظلم أو الفسق مالم يغير وا شيئاً من قواعد الاسلام "[1]

"پوچھا گیا کیا ہم ان سے قتال نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں"۔ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ خلفاء کے خلاف خروج جائز نہیں صرف ظلم وفسق کی وجہ سے جب تک کہ وہ بدل نہ دیں "قواعد اسلام" میں سے کسی چیز کو"۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ان احادیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"معنى ما صلّوا: ماداموا على الاسلام ، فالصلوة اشارة ذلك"[2]

"یہ جو فرمایا گیا ہے کہ "جب تک وہ نماز پڑھیں" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام پر باقی رہیں، نماز سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا"۔

اس کے باوجود ان احادیث کی بنیاد پر بعض لوگ یہ بات اخذ کرتے ہیں کہ حکمران چاہے کتنا ہی افعالِ کفر وارتداد کرتا رہے، کتنا ہی الحکم بغیر ما انزل اللہ کے حکومت کرتا رہے اور کتنا ہی کفار ومشرکین سے اپنی وفاداریاں نبھاتا رہے لیکن وہ اگر نماز کا قیام کر رہا ہے تو اس کا مسلمانوں پر حکومت کرنا جائز ہے اور اس کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں، حالانکہ یہ بات کسی صورت درست نہیں۔ اول بات یہ کہ سلف وخلف اس بات پر متفق ہے کہ یہاں قیام صلوٰۃ سے پورے کے پورے "دین اللہ" کا قیام ہے۔

ایسا حکمران جو کہ الحکم بغیر ما انزل اللہ کے حکومت کرے تو اس کی نماز ہی بارگاہِ الٰہی میں قبول نہیں تو ایسے شخص کی "ولایت" کیسے قبول کی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] شرح النووی علی مسلم ،ج:6،ص:327.

[2] تکملة فتح الملهم ج:3ص:199.

((عن طلحة بن عبيد الله رضی الله تعالیٰ عنه قال سمعت رسول اللهﷺ يقول: ألا أيها الناس لايقبل الله صلاة امام حكم بغير ماأنزل الله))[1]

"حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: آگاہ ہو جاؤ! اللہ اُس امام کی نماز قبول نہیں کرتا جو کہ اللہ کی نازل کردہ (شریعت) کے سوا فیصلے جاری کرے"۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں:

((لا يقبل الله صلاة امام حكم بغير ماأنزل الله ولايقبل الله صلاة عبد بغير طهور ولاصدقة من غلول))[2]

"اللہ اُس امام کی نماز قبول نہیں کرتا جو کہ اللہ کی نازل کردہ (شریعت) کے سوا فیصلے جارے کرے (جیسے) اللہ قبول نہیں کرتا کسی بندے کی بغیر طہارت کے نماز اور وہ صدقہ جو غبن کئے ہوئے مال میں سے دیا جائے"۔

دوم اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ یہاں اس سے صرف نماز کا قیام ہی مراد ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا جو حکمران نظام صلوۃ کا قیام نہ کرے وہ کافر یا مرتد قرار پاتا ہے؟ اکثر اہل علم کے نزدیک ایسا شخص جو تارکِ نماز ہو مگر منکرِ نماز نہ ہو، کافر یا مرتد نہیں ہوتا! لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں پر حکومت کرنے والے ایسے شخص کو حق ولایت سے محروم کر دیا جو منکرِ نماز نہیں صرف مسلمانوں میں قیامِ صلوٰۃ نہیں کرتا، تو کیا ہم اللہ کے رسول ﷺ سے یہ توقع کر سکتے ہیں کہ وہ ایسے حکمرانوں کا

[1] مستدرك الحاكم للصحيحين، ج:16ص:330رقم:7108۔ هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه.

[2] كنز العمال، ج:6ص:40رقم:14762.

مسلمانوں پر حق ولایت تسلیم کریں گے جن کا کفروارتداد مبین ہو اور جو "کفر بواح" یا صریح ارتداد کے مرتکب ہو چکے ہوں؟ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حکمران جو کھلم کھلا کفر کا حکم نہیں بلکہ صرف اس کا ارتکاب کر بیٹھیں، تو ان سے اطاعت کا ہاتھ کھینچ لینے اور ان سے تلوار سے نمٹنے کا حکم دیا ہے اور اسی بنیاد پر امت کے فقہاء ایسے حکمرانوں کے خلاف خروج کو ہر مسلمان پر لازم اور "فرضِ عین" قرار دیتے ہیں۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی روایات کے الفاظ یوں ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

((دعانا رسول الله صلى الله عليه وسلم فبايعناه فكان فيما اخذ علينا ان بايعنا والطاعة فى منشطنا ومكرهنا وعسرنا ويسرنا علينا وان لا ننازع الامر اهله قال الا ان تروا كفرا بواحا عندكم من الله فيه برهان))[1]

"ہمیں بلایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ پس آپ نے ہم سے اس بات پر بیعت لی کہ ہم سنیں گے اطاعت کریں گے چاہیں حالات سخت ہوں یا ساز گار، خوشی ہو یا غمی، ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے پھر بھی اور ہم اہل حکومت سے اختیارات واپس نہ لیں سوائے اس صورت کے کہ ان سے ایسا "واضح کفر" سرزد ہو جائے جس کے کفر ہونے پر اللہ کے دین میں صریح دلیل موجود ہو"۔

درج بالا حدیث کے الفاظ پر اگر غور کیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "کفر بواح" کے صرف ارتکاب پر حاکم کو واجب العزل قرار دے دیا۔ اسی طرح بعض احادیث کے مطابق اگر وہ کھلم کھلا معصیت کا "حکم" بھی دینا شروع کر دے جس کو فقہاء نے "فسق متعدی" سے تعبیر کیا ہے اور اس کا حکم بھی "کفر بواح" کا ہی ہے۔ احادیث مبارکہ یوں ہیں:

[1] صحيح مسلم ج:3ص:1470.

((عن عبادة بن الصامت عن رسول الله ﷺ ثم مثل ذلك قال مالم يأمروك باثم بواحا))[1]

"حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح بیعت لی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: سوائے اس کے کہ وہ تمہیں کھلم کھلا گناہ کا حکم دے"۔

((الاان يأمرك باثم بواحا عندك تأويله من الكتاب))[2]

"سوائے اس کے کہ وہ حکم دے تم کھلے گناہ کا جس کی دلیل تمہارے پاس کتاب (و سنت) سے ہو"۔

((عبادة ابن صامت يقول: قال رسول الله ﷺ! ثم يا عبادة، قلت لبيك، قال اسمع واطع في عسرك ويسرك ومكرهك واثرة عليك اون اكلوامالك وضربواظهرك الا ان تكون معصية الله بواحا))[3]

"حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عبادۃ! انہوں نے کہا حاضر ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو چاہے تمہیں آسان لگے یا مشکل اور چاہے تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے اور چاہے وہ تمہارے مال لے لے اور تمہاری پیٹھوں پر مارے سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کھلم کھلا نافرمانی کا حکم دے"۔

---

[1] مسند احمد ج:5 ص:321، رقم الحديث 22789.

[2] مسند الشامين ج:1 ص:141، رقم الحديث 225.

[3] صحيح ابن حبان ج:10 ص:428، رقم الحديث 4566.

((یا عبادة اسمع واطع فی عسرك ویسرك ومنشطك ومکرهك واثرة علیك وان اکلوامالك وضربوا ظهرك الا ان تکون معصیة الله عزوجل بواحا))[1]

"اے عبادۃ! سنو اور اطاعت کرو چاہے تمہیں آسان لگے یا مشکل اور چاہے تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے اور چاہے وہ تمہارے مال لے لے اور تمہاری پیٹھوں پر مارے سوائے اس کے بات کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کھلم کھلا نافرمانی کا حکم دے"۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ:

((مالم یأمروك باثم بواحا))[2]

"جب تک وہ تمہیں حکم نہ دیں کھلم کھلا معصیت کا"۔

چنانچہ "فسق معتدی" کے بارے میں حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ساتویں قسم یہ ہے کہ حاکم ایسے فسق کا مرتکب ہو جو (اس کی ذات تک محدود نہ ہو بلکہ) لوگوں کے دین پر اثر انداز ہو؛ مثلاً وہ انہیں گناہوں پر مجبور کرے۔ اس جبر پر "اکراہ" ہی کے احکامات لاگو ہوتے ہیں، جو کہ اپنے مقام پر تفصیلاً بیان کئے جاچکے ہیں۔ یہ جبر و اکراہ بعض مرتبہ حقیقتاً اور بعض مرتبہ حکماً کفر میں داخل ہو جاتا ہے. مثلاً جب حاکم شریعت سے متصادم قوانین (جو کہ معصیات پر مبنی ہوں ان) کے نفاذ پر اصرار کرے۔ اب اگر تو وہ ایسا اس وجہ سے کرتا ہے کہ وہ ان کے خلافِ شرع قوانین کو شرعی

[1] الفردوس بماثور الخطاب ج:5ص:385، رقم الحدیث 8506.

[2] السنة لابن عاصم ج:3ص157، هذاالسناد صحیح علی شرط الشیخین.

قوانین سے بہتر سمجھتا ہے تو یہ ''کفر صریح'' ہے اور اگر وہ (ایسا نہیں سمجھتا لیکن) شریعت کے نفاذ میں سستی ولا پرواہی سے کام لیتا ہے اور غالب گمان یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ عرصے تک (معصیت پر مبنی) خلافِ شرع نظام چلتے رہنے کے نتیجے میں دلوں سے شریعت کی عظمت اٹھ جائے گی.........تو ایسی سستی و ''غفلت'' اگرچہ حقیقتاً کفرِ صریح تو نہیں کہ اس کے مرتکب کو کافر قرار دیا جائے لیکن اسے حکم شرعی کے اعتبار سے کفر ہی میں داخل سمجھا جائے گا۔(جیسا کہ فقہ کا اصول ہے کہ مقدمة الشئی بحکم ذلك الشیئی)۔اس کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی علاقے کے لوگ اذان دینے سے انکار کر دیں تو ان کے خلاف قتال جائز ہو گا کیونکہ اذان شعائر دین (اور سنن) میں سے ہے اور اسے ترک کرنا اس کی عظمت واہمیت کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔تفصیل کے لئے کتاب ''ردالمختار ''کا باب ''باب الاذان'' دیکھئے۔پس اس صورت میں یہ ساتویں قسم بھی تیسری قسم یعنی کفرِ بواح (کفرِ صریح) میں شامل سمجھی جائے گی اور ایسے میں تیسری قسم میں ذکر کردہ تفصیلی احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے خروج جائز ہو گا''۔[1]

درج بالا احادیث اور حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان جو کہ مفتی صاحب کی ہی کتاب سے نقل کیا گیا ہے، لہٰذا ہمارا سوال ہے کہ جب معصیت پر مبنی قوانین کو ''نافذ'' کرنا کفر بواح و صریح جیسا ہی ہے تو وہ قوانین جو کہ بلاد اسلامیہ پر مسلط طواغیت کی طرف سے ''نافذ'' کئے جا رہے ہیں جن کے کفر بواح ہونے میں کسی کو شک نہیں، تو کیا پھر بھی ان قوانین کے نفاذ کو کب تک ''تسلیم'' کیا جاتا رہے گا.........؟؟

کیا حاکم کے کفر بواح پر بھی اسلاف نے خروج سے اجتناب کیا؟

[1] تکلمة فتح الملهم بشرح صحیح المسلم، المجلد الثالث، کتاب الامارة

"علمائے وقت" جنہوں نے اس بات کا تہیہ کر لیا ہوتا ہے کہ "حاکم وقت" کی ولایت کو بہر صورت جائز اور "تسلیم" کئے رکھنا ہے جبکہ اس کی ذات سے کتنا ہی کفر کا ظہور ہو رہا ہو، تو وہ ایسی ایسی بے محل مثالیں سلف وصالحین سے پیش کرتے ہیں تاکہ ان حکمرانوں کی ولایت کے جائز ہونے کے مردود دلائل اکھٹے کئے جاسکیں۔ اس سلسلے میں کچھ لوگ حجاج بن یوسف کے خلاف مسلح خروج کے معاملے میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل اور فتنہ خلق قرآن کے قائل حکمرانوں کے باب میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ان حکمرانوں کے خلاف مسلح خروج سے اجتناب کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ مفتیؔ صاحب نے اپنی کتاب "قتل اور خانہ جنگی" میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سلف میں سے قاضی ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول تو نقل کر دیا کہ:

> "امام حنبل رحمتہ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ بغداد کے فقہاء امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جمع ہو کر آئے، اور کہا کہ یہ معاملہ۔۔یعنی خلق قرآن کے اظہار پر مجبور کرنا۔۔۔ پھیل کر حد سے گزر گیا ہے، ہم آپ سے مشورہ کرنے آئے ہیں کہ ہم اس خلیفہ کی حکومت اور اُسکے امیر ہونے پر راضی نہیں ہیں، اس پر امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: "آپ کو چاہیے کہ آپ کے دلوں میں جو بات ہے اُسے برا سمجھیں، آپ حکومت کو تسلیم کرنے سے ہاتھ نہ کھینچیں، اور مسلمانوں میں تفرقہ نہ ڈالیں"۔ [1]

لیکن مفتیؔ صاحب نے یہاں یہ وضاحت کرنا گوارا نہ کیا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طرز عمل اختیار کرنا، دراصل حاکم کا کفر کی کس قسم کو اختیار کرنے کی وجہ سے تھا؟

اس سے قبل کہ ان مردود دلائل کا رد کیا جائے، سب سے پہلے ہم "کفر" کی اقسام کو پیش نظر رکھ لیں، تاکہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو سکے۔ کفر بنیادی طور پر دو قسم کا ہوتا ہے:

---

[1] کتاب "قتل اور خانہ جنگی" ص: 81.

(۱) کفر بواح یا کفر صریح

(۲) کفر ابہامی یا کفر تحقیقی

''کفر بواح'' سے مراد یہ ہے کہ جن اقوال و افعال کفر میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو اور جو کہ واضح اور مبین نصوص قرآنی واحادیث مبارکہ سے ثابت ہو جیسا کہ حدیث کے الفاظ ہم نے اوپر پڑھے ....الا ان تروا کفرا بواحا عندکم من اللہ فیہ برھان......... ''ایسا'' واضح کفر'' سرزد ہو جائے جس کے کفر ہونے پر اللہ کے دین میں صریح دلیل موجود ہو'' اوراس کے علاوہ شریعت کے وہ اوامر و نواہی کا کفر جن کی حرمت و حلت اتنی مشہور ہو کہ اس کو ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان حتی کہ کفار بھی جانتے ہوں۔ مثلاً کوئی شراب کو یا زناء کو یا سود کو حلال سمجھنے لگے تو ان کی حرمت نص قرآنی واحادیث سے ثابت ہے اور جن کی حرمت کا علم ہر مسلمان کے علاوہ کافر بھی جانتا ہے۔

اس کے برعکس ''کفر ابہامی یا تحقیقی'' سے مراد یہ ہے کہ وہ اقوال و افعال جن کا کفر کسی تاویل کی وجہ سے ہو اور جن میں نصوص قرآنی واحادیث بالکل واضح نہ ہوں اور جس کے کفر ہونے میں عام مسلمان ابہام کا شکار ہو اور جس کے کفر بواح ثابت ہونے کے لئے ''شرعی تحقیق'' کا ہونا لازمی ہو۔

تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ فتنہ خلق قرآن کے کفر کا تعلق دراصل ''ابہامی یا تحقیقی کفر'' سے تھا۔ لہذا جب یہ بات واضح ہو گئی کہ فتنہ خلق قرآن کا کفر ابہامی یا تحقیقی تھا تو یہ بات خود بخود واضح ہو گئی کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا خروج سے اجتناب دراصل اس وجہ سے تھا کہ ابھی تک فتنہ خلق قرآن کے کفر کا کفر بواح ہونا ثابت نہیں ہوا تھا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلسل حاکم وقت اور اس کے علمائے وقت سے اس پر مباحثہ چل رہا تھا لہذا جب کہ ایسے وقت میں جبکہ کفر کا کفر بواح ہونا ثابت نہ ہو تو کیسے حاکم وقت کے خلاف بغیر طاقت کے خروج کیا جا سکتا تھا۔

مفتیؔ صاحب نے اسی طرح حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا حجاج بن یوسف ثقفی کے خلاف مسلح خروج کے حوالے سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا طرز عمل تو نقل کر دیا جو کہ صحیح بخاری میں یوں وارد ہوا:

''حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جو فتنہ ہوا، اُس دور میں دو آدمی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ لوگ ضائع ہو رہے ہیں اور آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحابی ہیں، تو پھر آپ کو اس بات سے کس چیز نے روکا ہوا ہے کہ آپ باہر نکلیں (اور لڑائی میں شریک ہوں؟) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''مجھے اس بات نے روکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بھائی کا خون حرام کیا ہے۔'' اس پر انہوں نے کہا کہ: ''کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ؛ اُن سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم نے لڑائی کی ہے، یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا اور دین (نظام) اللہ کا ہو گیا اور تم چاہتے ہو کہ لڑائی کرو، یہاں تک کہ فتنہ پیدا ہو جائے اور دین اللہ کے سوا کسی اور کا ہو جائے''۔[1]

لیکن مفتیؔ صاحب نے یہاں بھی یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ حجاج کے بارے میں دوسرے صحابہ کرام اور کبار تابعین کا مؤقف کیا تھا؟ اور خود حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ طرز عمل کس بات پر دلالت کرتا ہے؟ مفتیؔ صاحب نے اپنی اس کتاب (یعنی ''قتل اور خانہ جنگی) میں ظلم و فسق اور کفر وارتداد کی احادیث و احکامات اس قدر خلط ملط کیئے ہیں کہ جس سے کتاب پڑھنے والے کے سامنے یہ تصور سامنے آتا ہے کہ حاکم کے خلاف مسلح خروج کسی بھی صورت جائز نہیں۔

[1] صحیح البخاری ،کتاب التفسیر ،باب قوله تعالیٰ ''وقاتلوهم حتى لاتكون فتنة''۔حدیث:4513.

حجاج بن یوسف ثقفی کے معاملے میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اختلاف دراصل حجاج کے "کفر" کے بارے میں تھا، نہ یہ کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حجاج کے کفر کے باوجود فتنہ سے بچنے کے لئے مسلح خروج نہیں کیا، جیسا کہ کتاب پڑھنے والے سمجھنے لگتا ہے اور جیسا کہ بعض لوگ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ سلف وصالحین میں سے کسی نے حجاج بن یوسف کو کافر قرار نہیں دیا۔ روایات سے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ حجاج بارے میں اصل اختلاف اس کے کفر کے بارے میں تھا:

((حدثنا علی بن حمشاذ العدل ..ثناسفیان الثوری عن سلمة بن کھیل قال: اختلف أنا وذر المرھبی فی الحجاج، فقال''مومن'' وقلت'' کافر''۔ وبیان صحته ماأطلق فیه مجاھد بن جبر رضی الله تعالیٰ عنه)) [1]

"سلمہ بن کھیل فرماتے ہیں کہ میرے اور ذرالمرھبی کے درمیان اختلاف ہوا حجاج کے (کفر) کے بارے میں۔ انہوں نے کہا کہ وہ "مومن" ہے اور میں نے کہا کہ وہ "کافر" ہے ۔(میری)اس بات کی دلیل کہ (حجاج کافر تھا)وہ حکم ہے جو حضرت مجاہد بن جبر رضی اللہ عنہ نے حجاج کے بارے میں دیا تھا"۔

حقیقت یہ ہے کہ حجاج بن یوسف کے خلاف مسلح خروج حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے بعد ابن الاشعث رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء میں شامل بڑے بڑے تابعین اس کے کفر کی وجہ سے کر رہے تھے جبکہ غالباً حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے وہ حقائق نہ آسکے جس کی بنیاد آپ رضی اللہ عنہ اس کے کفر سے ناواقفیت کی وجہ سے اس کو ظالم وفاسق سمجھ رہے تھے، جیسا کہ ان کے قول سے ظاہر ہو رہا ہے کہ جس کو مفتی صاحب نے خود اپنی کتاب میں صحیح بخاری سے یوں نقل کیا ہے:

---

[1] مستدرك الحاكم للصحيحين،ج:14،ص:436،رقم:6417.

((انی لااعلم غدرا أعظم من ان یبایع رجل علی بیع اللہ ورسولہ ثم ینصب لہ القتال))[1]

”میں اس سے بڑی غداری کوئی اور نہیں سمجھتا کہ کسی شخص سے اللہ اور رسول کے نام پر بیعت لی جائے، پھر اُس کے خلاف جنگ ٹھان لی جائے“۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بات بعید ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کی اطاعت ”تسلیم“ کئے رہتے اور بیعت فسخ نہ کرتے جس کو وہ کافر سمجھتے ہوں، اور پھر آپ رضی اللہ عنہما کا یہ کہنا کہ ”ہم نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر کفار سے) لڑائی کی ہے، یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا اور دین (نظام) اللہ کا ہو گیا“ اور ان کا یہ کہنا ”مجھے اس بات نے روکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بھائی کا خون حرام کیا ہے۔“ سے بھی یہ بات بھی بعید از قیاس ہے کہ اگر وہ اس کے کفر سے واقف ہوتے تو جس بنیاد پر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء حجاج سے لڑ رہے تھے تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کبھی حجاج یا اس کی فوج کو اپنا بھائی نہیں قرار دیتے اور یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ اگر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حجاج کے خلاف مسلح خروج اس کے کفر کی بناء پر کیا تھا، تو یہ ہے ہی ہر مسلمان پر ”فرض عین“ اور اگر اس کے ظلم و فسق کی بناء پر کیا تھا تو شریعت میں معتدبہ طاقت کی موجودگی میں (جیسا کہ ہم واضح کر چکے کہ) ایسے حاکم کے خلاف خروج جائز ہے اور حقیقت بھی یہی تھی کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو وہ معتدبہ طاقت حاصل تھی جس کی علامت یہ ہے کہ ان کی خلافت حجاز اور عراق تک پھیل گئی تھی۔

رہا ان لوگوں کا معاملہ جو کہ حجاج کے بارے میں یہ کہتے پھرتے ہیں کہ سلف وصالحین میں سے کسی نے اس کی ”تکفیر“ نہیں کی تو نواسۂ صدیق اکبر اور جلیل القدر صحابیہ ”ذات النطاقین“ حضرت اسماء بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے فرزند حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد ابراہیم الاشعث رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الفتن، حدیث 7111.

بڑے بڑے کبار تابعین نے بھی حجاج کو "کافر" قرار دیتے ہوئے خروج میں ان دوونوں حضرات کا ساتھ دیا۔ جیسا کہ شیخ ابو محمد عاصم المقدسی فک اللہ اسرہٗ فرماتے ہیں:

" سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں (حجاج کے معاملے میں) اس قسم کے بے وقوفیوں کے ردّ میں صفحے کالے کروں۔ مگر جس نے ہمارا یہ المیہ جان لیا اور یہ بھی کہ لوگ اصولِ توحید کے بارے میں جہل کی کس حد تک پہنچے ہیں اور (جس نے) ہمارے دین کی اجنبیت کا اندازہ لگالیا، وہ ہمیں اس میں معذور سمجھے گا (کہ ہم کیوں لکھ رہے ہیں)۔ میں تو وہی کہتا ہوں جو ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے (اپنی) کتاب میں مرجئہ کے اسلاف کے اقوال سے مناقشہ کرتے ہوئے کہا کہ:

"کہ یہ وہ باتیں ہیں کہ اگرچہ ایسے بچوں نے کہی ہوتیں جن کی ناک سے رینٹ بہتا ہے تو ان کی کامیابی سے مایوس ہونا چاہیے تھا۔ مگر اللہ کی قسم! شیطان نے ان سے کھیلا ہے اس نے جیسا چاہا۔ (فانّا للہ وانّا الیہ راجعون)"........

(پھر جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ "سلف میں سے کسی نے حجاج کو کافر نہیں کہا" کا رَد کرتے ہوئے فرماتے ہیں) اگرچہ یہ قول بعض نوجوانوں کو فریب میں ڈال دے گا، جنھیں تم نے اس مقصد سے اکٹھا کیا ہے کہ ان پر ان کا دین الجھادو۔ مگر جس نے اقوالِ سلف کو جان لیا اس سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی (کہ سلف نے حجاج کو کافر کہا ہے)۔ تمہارے لئے تو ایک ہی مثال کافی ہے تاکہ تم نے جو دعویٰ کیا ہے اسے پھاڑ دے، اور وہ یہ کہ ابو بکر بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الایمان ص:۳۲ میں (مشہور تابعی) امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا کہ انہوں نے کہا:

"میں گواہی دیتا ہوں وہ حجاج طاغوت پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کا انکار کرتا ہے"۔

اسی طرح طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح سند کے ساتھ یہ قول منقول ہے کہ:

"اہل عراق پر تعجب ہے کہ حجاج کو مؤمن کہتے ہیں"۔

اسے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب التہذیب(2/ 211)میں ذکر کیااور کہا:

"اسے (حجاج کو)ایک جماعت نے کافر کہا جن میں سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ،امام ابراہیم النخعی رحمۃ اللہ علیہ،امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ،عاصم بن ابی النجود رحمۃ اللہ علیہ اورامام شعبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شامل ہیں۔"

ہماری مقصد(ادھر اسلاف کے) ان سب اقوال کا نقل کرنا نہیں ہے بلکہ تمہارے شبہات کا ابطال اور تمہارا تمام(سلف)کے بارے میں دعوے کو پھاڑنا ہے"۔[1]

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جس قبیح افعال ارتکاب حجاج نے کیا تھا،اس کو بھی جان لیناضروری ہے تاکہ حجاج کے معاملے میں اصل حقائق سامنے آسکیں۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ:

"حضرت ابونوفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہر (مکہ)کی ایک گھاٹی پر (سولی لٹکتے ہوئے)دیکھا۔حضرت نوفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قریشی اور دوسرے لوگ بھی اس طرف سے گزرتے تھے۔یہاں تک کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ گزرے تو وہاں کھڑے ہوکر فرمایا:اے ابو خبیب !آپ پر سلامتی ہو(تین دفعہ فرمایا)۔اللہ کی قسم! میں نے آپ کو اس کام سے پہلے ہی روکا تھا(تین دفعہ)فرمایا۔اللہ کی قسم !(دشمن کی نظر میں) آپ کا گروہ سب سے بُرا گروہ تھا(لیکن اللہ کی نظر میں)وہ سب سے اچھا گروہ تھا"۔

[1] امتاع النظر فی کشف الشبهات مرجئة العصر.

چناچہ جب حجاج کو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش پر کھڑے ہونے اور کلام کرنے کی اطلاع پہنچی تو اسی حدیث میں ہے کہ:

"تو حجاج نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی نعش اُس گھاٹی سے اتروا کر "یہود کے قبرستان "میں پھکوادی۔ پھر اس نے آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ (ذات النطاقین) حضرت اسماء بن ابی بکر رضی اللہ عنہا کی طرف آدمی بھیج کر اُن کو بلوایا۔ حضرت اسماء بن ابی بکر رضی اللہ عنہا نے آنے سے انکار کر دیا۔ حجاج نے دوبارہ بلوانے بھیجا اور کہنے لگا کہ اگر کوئی ہے تو (ٹھیک ہے) ورنہ میں تیری طرف ایک ایسے آدمی کو بھیجوں گا جو تیرے "بالوں" کو کھینچتا ہوا تجھے میرے پاس لے آئے گا"۔

اس کے باوجود حضرت اسماء بن ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ تو پھر حجاج خود حضرت اسماء بن ابی بکر رضی اللہ عنہا کے پاس اکڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا:

"کیا تو نے دیکھا کہ میں نے اللہ کے دشمن کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے (جیسا کہ آج کے طواغیت بھی اہل ایمان کو قتل کرنے کے بعد یہی کہتے ہیں)"۔

تو اس کے جواب میں حضرت اسماء بن ابی بکر رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"میں نے دیکھا ہے کہ تو نے اس کی (بظاہر) دنیا خراب کر دی ہے لیکن اس نے (حقیقتاً) تیری آخرت خراب کر دی ہے۔"۔

پھر آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"(اے حجاج!) سن رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا تھا کہ قبیلہ ثقیف میں ایک کذاب اور دوسرا ایک ہلاکو پیدا ہو گا۔ تو کذاب کو تو(پہلے)ہم نے دیکھ لیا تھا(یعنی ابی عبید)اور میں ہلاکو تیرے علاوہ کسی کو نہیں سمجھتی"۔[1]

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ:

"جب حجاج بن یوسف حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر چکا تو حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے پاس آکر کہنے لگا کہ آپ کے بیٹے نے حرم شریف میں کجی اور الحاد کی راہ اختیار کی تھی، اس لئے اللہ نے اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھادیا اور اس کے ساتھ جو کرنا تھا سو کرلیا، تو حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرمایا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، وہ تو والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا تھا، صائم النہار اور قائم اللیل تھا، بخدا ہمیں نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پہلے ہی بتا چکے تھے کہ بنو ثقیف میں سے دو کذاب آدمیوں کا خروج عنقریب ہو گا جن میں سے دوسرا پہلے کے نسبت زیادہ بڑا شر اور فتنہ ہو گا اور وہ مبیر (یعنی لوگوں کو کثرت سے ہلاک کرنے والا)ہو گا(اور وہ تو ہے)"۔[2]

عمر ثانی خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ حجاج کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اگر ہر امت اپنا اپنا خبیث آدمی لے کر آئے اور ہم ان کے مقابلے میں حجاج کو پیش کر دیں تو ہم ان لوگوں پر بھاری رہیں گے"۔[3]

عاصم بن ابی النجود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح مسلم ،ج:12،ص:380، رقم:4617.

[2] مسند احمد ،ج:54،ص:408، رقم:25735.

[3] بحوالہ "معجزات الرسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم" ص:418،از مصطفی مراد مصر.

''کوئی برائی ایسی نہ تھی جس کا ارتکاب حجاج نے نہ کیا ہو''۔[1]

چنانچہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حجاج بن یوسف سے کی طرف سے جانے والے افعال قبیح یعنی حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی لاش یہودی قبرستان میں پھنکوانے، حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کو بالوں سے پکڑ کر اپنے پاس بلوانے کی دھمکی دینے، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تحقیر کرنے اور ان کا استہزا کرنے کے بعد محسوس ایسا ہوتا ہے کہ آخر کار حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر بھی وہ حقیقت آشکارہ ہو گئی تھی جس بناء پر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حجاج کے خلاف خروج کیا تھا ۔ چناچہ حبیب بن ابی ثابت روایت کرتے ہیں کہ:

((ابن عمر رضی اللہ عنہ جالس فی ناحیة وابناه عن یمینه وشماله وقد خطب الحجاج بن یوسف الناس فقال: ألا ان ابن الزبیر نکس کتاب الله، نکس الله قلبه ،فقال ابن عمر رضی اللہ عنہ ألا ان ذلك لیس بیدك ولا بیده، فسکت الحجاج هنیئة ان شئت قلت طویلا وان شئت قلت لیس بطویل ثم قال ألا ان الله قد علمنا کل مسلم ، وایاك أیها الشیخ انه یفعل، قال فجعل ابن عمر رضی اللہ عنہ یضحك فقال لمن حوله: أما انی قد ترکت التی فیها الفصل ان أقول۔ کذبت))[2]

''حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (ایک دفعہ مسجد حرام) کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے بیٹے بھی آپ کے ارد گرد بیٹھے تھے تو حجاج بن یوسف نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''آگاہ ہو جاؤ! ابن زبیر نے اللہ کی کتاب کو توڑا، اللہ نے اس کے دل کو توڑ ڈالا''۔ پس حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اسی وقت گویا ہوئے اور فرمایا: ''جان لو! بے شک ان کا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے اور نہ تیرا معاملہ اُن کے ہاتھ میں۔ پس حجاج اسی وقت

---

[1] بحوالہ ''معجزات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ''ص:418،از مصطفی مراد مصر.

[2] مصنف ابن رزاق،ج:7،ص:296.

خاموش ہو گیا۔(راوی کہتے ہیں کہ تم یہ سمجھو کہ وہ تھوڑی دیر خاموش رہا یا کافی دیر خاموش رہا) پھر حجاج نے کہا کہ ”آگاہ ہو جاؤ! کیا اللہ نے ہم پر، تمام مسلمانوں پر اور تم پر ظاہر نہیں کیا کہ اس نے ایسا ہی (برا کام) کیا ۔(راوی کہتے ہیں)پس حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مسکرائے اور اپنے گرد و نواح کے لوگوں سے فرمایا کہ ”میں نے اس مسئلے میں یہ بات کہہ کر فیصلہ نہیں کر دیا کہ تو” جھوٹا“ ہے“۔

((عن عطية قال قلت لمولى لابن عمر رضي الله عنه كيف كان موت ابن عمر؟ قال انه نكر على الحجاج بن يوسف أفاعيله في قتل بن الزبير وقام اليه فأسمعه ،فقال الحجاج اسكت يا شيخاً قد خرفت))[1]

”حضرت عطیہ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام سے پوچھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی موت کس حال میں ہوئی؟ تو انہوں نے کہا آپ رضی اللہ عنہ کی موت اس حال میں آئی کہ آپ رضی اللہ عنہ حجاج بن یوسف پر نکیر کرنے والے تھے بسبب ان افعال کے جو اس نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل کے معاملے میں کئے چناچہ (ایک دفعہ) آپ کھڑے ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو سنائی۔ پس حجاج کہنے لگا آپ رضی اللہ عنہ سے کہ ”خاموش ہو جاؤ اے بڈھے ، بے شک تیری عقل ماری گئی ہے“۔

آثار سے یہ پتا چلتا ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو درج بالا ”کلمۂ حق “کہنے کی پاداش میں خفیہ طور پر زہر میں بجھے ہوئے تیر سے زخمی کروا دیا تھا۔ چناچہ زہر تیزی سے جسم میں سرایت کرنے لگا۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ جاں بر نہیں ہو سکیں گے تو وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے آئے اور چند دن بعد اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کو بھی شہادت کے اعلیٰ ترین رتبہ سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ مستدرک حاکم کی ایک حدیث کے مطابق جس میں یہ ذکر ہے کہ عبد اللہ بن

[1] مستدرك الحاكم للصحيحين،ج:14،ص:469،رقم:6422.

زبیر رضی اللہ عنہما نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے موذن بننے کی درخواست کی تھی تاکہ ان کو وہ فضیلت حاصل ہو سکے جو کہ قیامت کے دن موذنوں کو حاصل ہو گی۔ چناچہ اس روایت کے نقل کرنے والے راوی فرماتے ہیں:

((قد ذكرت في مقتل عبد الله بن زبير رضى الله عنه من جرأة الحجاج بن يوسف على الله تعالىٰ وعلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وتهاونه بالحرمين وأهل بيت الصديق رضى الله عنهم مايكتفى به العاقل من معرفته ،فاسمع الآن أقاويل الصحابة رضى الله عنهم والتابعين فيه وشهادتهم على عقيدته بعد قتله عبد الله بن زبير رضى الله عنه، وعبد الله بن عمربن الخطاب، وسعيد بن جبير)) [1]

"مجھے اس واقعہ کا خیال حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قتل ہونے کے زمانے میں آیا جب میں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف حجاج کی جرأت دیکھی اور اس کو حرمین کی بربادی اور اہل بیت صدیق رضی اللہ عنہ کی بے حرمتی کرتے دیکھا۔ پس یہ واقعات کسی عاقل کے لئے اس بات پر کفایت کرتے تھے کہ اس کو اس (حجاج) کی اصل حقیقت معلوم ہو جائے۔اب ان صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے اقوال کو دیکھو جو اِس (حجاج) کے عقیدۂ سوء پر دلالت کرتے ہیں بعد اس کے کہ اس نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کر دیا"۔

چنانچہ درج بالا آثار کے بعد اب اس بات کی کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ اس موضوع پر مزید کلام کیا جائے۔ پس آخری بات یہ کہ چاہے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا دو رہو یا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا، دونوں کے زمانوں میں ایک بات مشترک تھی۔ وہ یہ کہ اسلام کو بحیثیت نظام غلبہ حاصل تھا ،عدالتوں میں قضاء شریعت کے مطابق فیصلے کر رہے تھے اور فیصلے کے لئے مجموعی طور پر قرآن و سنت

[1] مستدرك الحاكم للصحيحين،ج:14ص:462 رقم:6416.

اور صحابہ کے عمل کے علاوہ ان کو کسی اور آئین یا دستور کی حاجت نہیں تھی، اسلامی سرحدات پر قتال جاری تھا۔ فرق صرف یہ تھا ان میں سے ایک (یعنی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک حاکم کا کفر، کفر بواح نہیں تھا بلکہ تحقیقی تھا اور دوسرے (یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کے نزدیک حاکم سے صرف ظلم و فسق کا اظہار ہوا تھا، چناچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے یہ الفاظ قابل غور ہیں جو کہ مفتی صاحب نے خود اپنی کتاب میں بھی نقل کئے ہیں:

''قاتلنا حتی لم تکن فتنة ، و کان الدین للہ''

''ہم نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر کفار سے) لڑائی کی ہے، یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا اور دین (نظام) اللہ کا ہو گیا''

چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے کلام سے ہی بات واضح ہو رہی ہے کہ فتنہ ختم ہی جب ہوتا ہے جبکہ دین (کل نظام حکومت) اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق ہو جائے اور جب دین یعنی نظام اللہ کے نازل کردہ کلام کے مطابق نہ ہو تو پھر فتنہ پھیل جاتا ہے جو کہ سبب بنتا ہے جہاد فی سبیل اللہ کے فرض عین ہونے کا۔

پوری دنیا پر ذرا ایک سرسری سی نگاہ ڈالی جائے کہ کیا آج ''دین اللہ'' کتابوں کی زینت بننے کے علاوہ عملاً کسی علاقے میں ''نافذ العمل'' بھی ہے؟ جب اللہ کی زمین پر اللہ کے قانون کے بجائے کفر کا قانون جاری و ساری ہو تو اس بڑھ کر ''فتنہ'' کیا ہو گا اور فی زمانہ جو کوئی اس فتنے کی خاتمے کی کوشش کرے یعنی شریعت کا نفاذ چاہے تو وہ قابل گردن زنی سمجھا جاتا ہے اور خاک و خون میں لت پت ہونا اس کا مقدر ٹھہرتا ہے۔ تو کیا اب بھی مسلمان اس فتنہ کو ''مجبوری'' کا بہانہ بنا کر ''تسلیم'' کئے بیٹھے رہیں گے.........؟؟

کفر بواح کے مرتکب حاکم کے خلاف خروج کے لئے شرائط:

ایک اور شبہ جو کہ لوگوں کے ذہنوں میں ڈالا جاتاہے کہ کفر بواح کے مرتکب حاکم کے خلاف مسلح خروج کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ اس سے کسی بڑی خونریزی کا اندیشہ نہ ہو اور کافر حاکم کو ہٹانے کے لئے کئے جانے والے خروج کے نتیجے میں کہیں کفار غالب نہ آجائیں۔لہٰذا اس باب میں بھی مسلح خروج کے لئے ان دونوں شرائط کالحاظ لازم ہے۔جیسا کہ مفتیؔ صاحب فرماتے ہیں:

”خلاصہ یہ کہ اس (حاکم) کا کفر ہونا بھی متفق علیہ ہو اور امیر سے اس کا صدور بھی یقینی ہو،تب خروج جائز ہو گا۔نیز دو (۲) شرطیں اور ظاہر ہیں ،ایک یہ کہ اُس کو طاقت کے ذریعے ہٹادینے کی قدرت ہو، اور دوسرے یہ کہ اُس کو ہٹانے میں کوئی اور مفسدہ پیش آنے کا اندیشہ نہ ہو۔مثلاً یہ غالب گمان یہ ہو کہ اُس کو ہٹانے کے بعد بھی طالبان اقتدار کے درمیان جنگ جاری رہے گی اور کسی ایک شخص پر لوگ متفق نہیں ہوسکیں گے اور تمام تر جدوجہد کے بعد بھی عوام کو مسلسل خونریزی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، یا اس خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کوئی دشمن ملک چڑھائی کر کے ملک پر قبضے کرلے گا اور ابھی تک تو صرف امیر ہی کافر تھا، اب پورا ملک (معاذ اللہ) دار الاسلام کی حیثیت کھو بیٹھے گا اور دشمن ملک کے تسلط سے دار الکفر میں تبدیل ہو جائے گا“۔[1]

مفتیؔ صاحب نے ”کفر بواح“ کی صورت میں مسلح خروج کے لئے یہاں دو شرائط کا ذکر کیا ہے،اول طاقت کا ہونا اور دوم کوئی اور بڑا مفسدہ پیدا نہ ہونا ورنہ بصورت دیگر خروج جائز نہیں۔

احکامات کو جب خلط ملط کر دیا جائے یا ان کے بیان میں کتمانِ حق سے کام لیا جائے تو ضروری ہو جاتا ہے کہ ان کو واضح اور مبین کیا جائے لہٰذا ہم یہاں اس بات کا بھی جائزہ لے لیں کہ:

۞ حاکم کے کفر بواح کی صورت میں طاقت کی کیا شرائط ہیں؟

---

[1] اسلام اور سیاسی نظریات،ص:365۔ طبع جدید نومبر 2010ء۔مکتبہ معارف القرآن کراچی.

- اور طاقت نہ ہونے کی صورت میں پھر شریعت کیا حکم دیتی ہے؟

- اور یہ کہ کیا "کفر وارتداد" سے بڑھ کر کوئی اور بڑا مفسدہ ہو سکتا ہے؟

تمام سلف و صالحین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب حاکم وقت کفر بواح اور صریح ارتداد کا مرتکب ہو جائے تو خود بخود واجب العزل ہو جاتا ہے اور اس کی اطاعت ساقط ہو جاتی ہے اور ہر مسلمان جو کہ قدرت رکھتا ہو اس پر مسلح خروج کرنے والوں کا ساتھ دینا فرض ہو جاتا ہے، اور جو قدرت رکھنے باوجود خروج نہ کرے وہ گناہ گار ٹھہرتا ہے اور جو قدرت نہ پائے اس پر ہجرت لازم ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور تیسری سبیل نہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

"اگر کوئی حکمران کفر کا ارتکاب کرے، یا شریعت میں ردوبدل کرے، یا کوئی بدعت جاری کرے تو وہ بطور حکمران باقی نہیں رہتا، اس کی اطاعت "ساقط" ہو جاتی ہے اور مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے کہ اگر وہ قدرت رکھتے ہوں تو اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اسے ہٹا کر اس کی جگہ کوئی عادل حکمران مقرر کریں۔ نیز اگر پوری امت میں سے محض کوئی ایک گروہ یہ قدرت رکھتا ہو تو اس گروہ پر واجب ہو گا کہ وہ اس کافر حاکم کو اس کے منصب سے ہٹائے۔ یہ تو کافر حکمران کا معاملہ تھا، رہا بدعتی حکمران کو ہٹانا، تو تبھی واجب ہو گا جب اس بات کا غالب امکان ہو کہ اس پر غلبہ پالیا جائے گا۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ مسلمان اتنی قدرت بھی نہیں رکھتے تو ایسے حکمران کے خلاف خروج واجب نہیں ہو گا۔ ایسی صورت میں ایک مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ اوہ اپنے دین کو بچاتے ہوئے اس سرزمین سے نکل جائے"۔[1]

---

[1] شرح النووی رحمۃ اللہ علیہ علی مسلم؛ ج:6، ص:314.

درج بالا کلام سے (اور دیگر کلام جو کہ ہم ظلم و فسق کے ضمن میں نقل کر آئے ہیں اس سے) یہ بات ظاہر ہے کہ ''قدرت و طاقت'' کی شرط صرف ظالم و فاسق حکمران کے خلاف خروج کے لئے ہے ورنہ بصورت دیگر صبر اور انتظار کا حکم ہے لیکن حاکم کے کفر بواح کی صورت میں ''خروج'' پوری امت پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اگر امت غفلت کا مظاہرہ کرے تو ایک چھوٹے سے گروہ پر بھی واجب ہو گا کہ اس حاکم کو معزول کر دیں اور جو کوئی قدرت نہ رکھتا ہو اس کے لئے یہ نہیں کہ وہ اطمینان و سکون سے وہاں زندگی گزارتا رہے بلکہ اس کے لئے اس سرزمین سے ہجرت کر جانے کا حکم ہے۔

جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''خلاصۂ کلام یہ کہ اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ حکمران کفر کی بناء پر (از خود) معزول ہو جاتا ہے اور ہر مسلمان پر اس کے خلاف خروج میں حصہ ڈالنا واجب ہو جاتا ہے۔ پھر جو اس کی قدرت رکھے اور اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہو وہ ثواب کا مستحق ہو گا، اور جو کوئی (قدرت کے باوجود) مداہنت و مصالحت کا رویہ اپنائے وہ گناہ گار ٹھہرے گا اور جو کوئی اس کافر حکمران کے خلاف اٹھنے کی قدرت نہ رکھے، اس پر واجب ہے کہ وہ اس سرزمین سے ہجرت کر جائے''۔[1]

کیا کفر سے بڑھ کر کوئی اور بڑا مفسدہ اور فتنہ ہے؟

یہ سوال کہ ''کیا کفر سے بڑھ کر بھی کوئی اور فتنہ اور مفسدہ ہو سکتا ہے؟''۔ اس کا جواب جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کیونکہ جس طرح ایک نیام میں دو تلوار جمع نہیں ہو سکتی اسی طرح کفر اور ایمان ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

[1] فتح الباری، 123/13.

فی زمانہ جبکہ اصل علم شرعی کے جاننے والے اس دنیا سے رخصت ہوتے جارہے ہیں اور ایسے علماء وقت کا غلغلہ ہے جو کہ محکم احکام شرعیہ کو کتمان حق سے کام لے کر مبہم اور مختلف فیہ بنارہے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((علیکم بالعلم قبل ان یقبض وقبضه ان یذهب باصحابه، علیکم بالعلم! فان احدکم لا یدری متی یفتقر الی ماعنده ،انکم ستجدون اقواماً یزعمون انهم یدعونکم الی کتاب الله وقد نبذوه وراء ظهورهم ،فعلیکم بالعلم! اویاکم والنبدع !وایاکم والتنطع!وایاکم والتعمق!وعلیکم بالعتیق!''۔[1]

" علم کے اٹھ جانے سے پہلے علم حاصل کرلو! علم کا اُٹھ جانا یہ ہے کہ اہل علم رخصت ہو جائیں، خوب مضبوطی سے علم حاصل کرلو! تمہیں کیا خبر کہ کب تم کو اس کی ضرورت پیش آجائے یا دوسروں کو اس کے علم کی ضرورت پیش آجائے اور علم سے فائدہ اٹھانا پڑے۔ عنقریب تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جن کا یہ دعویٰ ہو گا کہ وہ تمہیں قرآنی دعوت دیتے ہیں، حالانکہ کتاب اللہ کو انہوں نے پس پشت ڈال دیا ہو گا۔ اس لئے علم پر مضبوطی سے قائم رہو! نئی تحقیق، بے سود موشگافی اور لایعنی غور وخوض سے بچو! (سلف صالحین کے) پرانے راستے پر قائم رہو"۔

مزید فرمایا:

[1] السنن الدارمی،ج:1ص:50.

((علماء کم وخیارکم وفقهاء کم یذهبون،ثم لاتجدون منهم خلفاء، ویجیئ قوم یقیسون الامر برأیهم))[1]

''تمہارے علماء، صالحین اور فقیہ ایک ایک کر کے اُٹھتے جائیں گے اور تم ان کا بدل نہیں پاؤ گے اور (قحط الرجال کے اس زمانے میں) بعض ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دینی مسائل کو محض اپنی ذاتی قیاس آرائی سے حل کریں گے''۔

چنانچہ ایسے ہی علماء وقت اپنی ذاتی قیاس آرائیوں اور موشگافیوں کی بدولت یہ فکر معاشرے میں عام کر رہے ہیں کہ کفر چاہے کتنا ہی پھلتا پھولتا رہے اور ارض اللہ پر دین اللہ کے بجائے غیر اللہ کے بنائے ہوئے آئین و دستور کی کتنی ہی عملداری ہو پھر بھی ''امن'' کی خاطر اور ''فتنہ'' اور ''فساد'' سے بچنے کے لئے حاکم وقت کے کفر و ارتداد کے باوجود اس کے خلاف خروج نہ کیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ ''فتنۂ ارجائیت'' کی تلبیسیت اور فریب کاری اس قدر شدید اور سنگین ہے کہ اس کے ابطال کرنے کے لئے صفحات در صفحات کالے کرنے پڑ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس فتنہ سے ہماری حفاظت فرمائے، آمین۔ لہٰذا اب ضروری ہے کہ ہم ان الفاظ یعنی امن، فتنہ اور فساد کے مختصراً شرعی معنی بھی سمجھ لیں تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ کفر و ارتداد سے بھی بڑھ کر کوئی اور فتنہ یا فساد شریعت کے نظر میں ہے یا نہیں؟

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ''امن'' کا اصل حقدار کون ہے اور اس کے لئے سب سے بڑی شرط کیا ہے:

﴿وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلاَ تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○﴾

---

[1] السنن الدارمی،ج:1ص:58.

"اور (ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ) میں کیوں ڈروں ان ہستیوں سے جنہیں تم نے اللہ کے ساتھ شریک کر رکھا ہے جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ شرک کیا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی دلیل نہیں اتاری۔ تو بتاؤ مجھے دونوں فریقوں میں سے کونسا فریق امن کا زیادہ حقدار ہے اگر تم واقعتاً علم رکھتے ہو۔ حقیقت میں تو امن انہی کے لئے ہے اور وہ ہی ہدایت یافتہ ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو کفر و شرک کے ساتھ آلودہ نہیں کیا"۔ [1]

تو اصل امن کے حقدار تو وہ ٹھہرے جنہوں نے اپنے دنیاوی سکون اور مفاد کی خاطر کفر و شرک سے کوئی مصالحت نہیں کی بلکہ اس سے بغض و عداوت رکھتے ہوئے اس سے پنجہ آزمائی کی۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کفر و شرک کے ساتھ جبکہ وہ حالت ضعف میں تھے برأت اور بیزاری کا اظہار کیا اور یہ برأت و بیزاری صرف اس بات پر منحصر نہ تھی کہ وہ ان کے کفر سے لاتعلق ہو کر بیٹھ گئے تھے بلکہ قرآن کے یہ الفاظ ﴿ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا ﴾ شاہد ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کے رفقاء نے "طاغوت" کے کفر کے ساتھ ساتھ "اولیاء الطاغوت" کا بھی کفر کیا اور ان سے ظاہری و باطنی دونوں طرح سے بغض و عداوت کا مظاہرہ کیا:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ﴾ [2]

---

[1] الانعام: 82,81.

[2] سورة الممتحنة: 4.

"(مسلمانو) تمہارے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے ، جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ ہم تمہارا کفر کرتے ہیں اور یہ کہ ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے بغض وعداوت ظاہر ہوگئی جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ، لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور تمہارے لئے مجھے اللہ کے سامنے کسی چیز کا اختیار کچھ بھی نہیں۔ (کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور ان کے ساتھیوں نے) اے ہمارے پرودگار! تجھ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔"

نوٹ: مفتی صاحب نے درج بالا آیت کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے لیکن اس آیت کے ترجمہ میں ﴿كَفَرْنَا بِكُمْ﴾ کا ترجمہ موجود نہیں۔ یہ بات اللہ علیم وخبیر ہی جانتا ہے کہ یہ کام شعوری طور پر کیا گیا ہے یا یہ غلطی سے ہوا ہے(ہاں یہ بات اور ہے کہ علمائے وقت سے جن کا شیوہ ہی کتمان حق ہے، ان سے ایسے افعال کا سرزد ہونا بعید نہیں)۔

سلف وصالحین کے نزدیک شرعی اصطلاح میں "فتنہ" کفر و شرک کہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا:

"تم جانتے ہو "فتنہ" کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾[1]

"اور فتنہ (کا وبال اللہ کے نزدیک) قتل سے بڑا ہے"۔[2]

[1] البقرة:217.

[2] الصارم المسلول لابن تیمیه رحمۃ اللہ علیہ.

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سورۃ البقرۃ کی درج بالا آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"کسی کو قتل کرنا شر وفساد ہے مگر کفار کا شر وفساد اس قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور فتنہ ہے"[1]

چناچہ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے "فتنہ" کی سر کوبی تک جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا ہے:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾[2]

"اور ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین (نظام) پورے کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے"۔

امام ابو بکر الجصاص الحنفی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"وقال محمد بن اسحاق: "حتى لايفتتن مؤمن عن دينه"۔ والفتنة ههنا جائز أن يريد بها الكفر وجائز أن يريد بها البغى والفساد، لأن الكفر انما سمي فتنة لما فيه من الفساد، فتنتظم الآية قتال الكفار، وأهل البغي، واهل العبث والفساد، وهى تدل على وجوب قتال الفئة الباغية"۔[3]

"محمد بن اسحاق فرماتے ہیں (فتنہ باقی نہ رہنے سے مراد یہ ہے کہ) "یہاں تک کہ کسی مومن کو بھی اس کے دین سے نہ پھیر اجائے"۔ یہاں "فتنے" سے مراد کفر بھی مراد لیا جاسکتا ہے اور سرکشی بھی۔ کفر کو اسی لئے بھی فتنہ کہا جاتا ہے کہ وہ "فساد عظیم" کا باعث ہوتا ہے۔ پس

---

[1] الصارم المسلول لابن تیمیہ رحمۃ اللہ۔

[2] سورۃ الانفال:39.

[3] احکام القرآن للجصاص، ج:3ص:65.

یہ آیت نہ صرف کفار کے خلاف قتال کا حکم دیتی ہے بلکہ سرکشوں، فسادیوں اور باغیوں کے خلاف قتال کے وجوب پر بھی دلالت کرتی ہے"۔

اور "فساد" کہتے ان حالات کو جس میں زمین پر دین اللہ کے بجائے غیر اللہ کی حکمرانی ہو جائے گویا کہ وہ حالات جس میں اہل ایمان کے لئے اپنے ایمان پر چلنا ناممکن ہو جائے۔ لہٰذا جب تک فتنہ باقی رہے اور فساد ختم نہ ہو جائے، اس وقت تک کفر کے محافظوں کے خلاف جگہ جگہ اُن پر گھات لگانے اور ان کے ساتھ خونریزی اور جنگ کرنے کا حکم دیا گیا اور جو لوگ کفر و شرک کے خاتمہ کو "فتنہ و فساد" نہ پھیلنے سے مشروط کرتے ہیں، اُن کے اس خلجان کو دور کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾[1]

"ان (کافروں کو) مارو جہاں پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور فتنہ (کفر و شرک) قتل سے زیادہ سخت ہے"۔

رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے وصال کے بعد پورے عرب میں کفر وارتداد وباء کی صورت اختیار کر گیا تھا اور اسلام اجتماعی طور پر سمٹ کر حجاز تک محدود ہو گیا تھا۔ ہر جگہ فتنے سر اٹھا رہے تھے، کہیں مانعین زکوٰۃ کھڑے ہو رہے تھے تو کہیں ختم نبوت کے منکر کذابوں کا فتنہ سر اٹھا رہا تھا اور دوسری طرف سلطنت روم بھی اسلامی سرحدوں پر خطرہ بن کر کھڑی ہو گئی تھی۔ چنانچہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف قتال کا ارادہ فرمایا تو حضرت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس ڈر سے کہ کہیں خلافت اسلامیہ کا شیرازہ نہ بکھر جائے اور خانہ جنگی عام نہ ہو جائے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مانعین زکوٰۃ کے خلاف مسلح تصادم سے گریز کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا:

---

[1] البقرۃ:191.

"اے خلیفہ رسول ﷺ! میرے رائے تو یہ ہے کہ آپ اس وقت عرب سے نماز ادا کرنے کو ہی غنیمت جانیں اور زکوٰۃ کی عدم ادائیگی پر مواخذہ نہ کریں۔ یہ لوگ ابھی ابھی اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ تمام اسلامی فرائض واحکام کو تسلیم کرکے سچے مسلمان بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اسلام کو قوت دے دے گا تو ہم ان کے مقابلے پر قادر ہو جائیں گے لیکن اس وقت مہاجرین و انصار میں تمام عرب و عجم کے مقابلہ کی سکت نہیں"۔

اسی طرح بعض روایات میں یہ بھی منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابو بکر کو جنگ کرنے سے منع کیا اور کہا کہ:

"عہد خلافت کا ابتدائی دور ہے، مخالفین بہت زیادہ ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ "فتنہ و فساد" پھوٹ پڑے اور اسلام کو اس طرح نقصان پہنچ جائے اس لئے اس معاملے میں ابھی توقف کرنا چاہیے"۔[1]

تو اس کے جواب میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کے اشکالات کو رفع کرتے ہوئے جو تاریخ ساز الفاظ کہیں وہ مسلمانوں کے لئے "حکم شرعی" کی حیثیت رکھتے ہیں:

"اللہ کی قسم! میں برابر امرِ الٰہی پر قائم رہوں گا اور اللہ کی راہ میں جہاد کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا اور ہم میں سے جو قتل ہو وہ شہید ہو کر جنت میں جائے اور جو زندہ رہے وہ خدا کی زمین میں اس کا "خلیفہ" اور اس کے بندوں کا وارث ہو کر رہے. اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ جو زکوٰۃ رسول اللہ ﷺ کو دیتے تھے اس میں سے ایک رسی بھی روکیں گے تو میں ان سے برابر جہاد کرتا رہوں گا حتیٰ کہ میری روح اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔ خواہ ان لوگوں کی مدد کے لئے ہر درخت اور پتھر اور جن و انس میرے مقابلے کے لئے جمع

---

[1] مظاہر حق جدید شرح مشکوٰۃ شریف، جلد اول صفحہ 184.

ہو جائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ میں کوئی فرق نہیں رکھابلکہ دونوں کو ایک ہی سلسلہ میں ذکر فرمایاہے"۔[1]

یہ تقریر ختم ہوتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور فرمایا:

"اللہ کی قسم! اس کے بعد میں سمجھ گیا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دل میں جو قتال کا ارادہ ہوا ہے، یہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈالا ہے اور میں پہچان گیا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے حق ہے"۔[2]

اسی واقعہ پر امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ یہ مسئلہ بیان کرتے ہیں:

"وہ گروہ جس کی نسبت اسلام کی طرف ہوتی ہو اور وہ مسلمان کہلاتا ہو، لیکن بعض شرعی قوانین سے وہ احتراز کرے یا منع کرے اور وہ شرعی قوانین ایسے ہوں جو ظاہر اور متواتر ہوں تو ان سے جہاد کرناواجب ہے، اس پر تمام مسلمان متفق ہیں کہ ایسے لوگوں کے خلاف جہاد و قتال کرنا فرض ہے یہاں تک کہ دین کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے جیسا کہ امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف جہاد کیا۔ گو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ابتداء میں اس سے اختلاف کیا لیکن بعد میں سب متفق ہو گئے"۔[3]

اسی بنیاد پر فقہائے کرام کے یہاں یہ اصول مشہور و معروف ہے کہ:

''قتال المرتدین اولیٰ بقتال الکفار''

---

[1] کنز العمال جلد3ص42.

[2] بخاری، کتاب استتابۃالمرتدین.

[3] السیاسۃ الشرعیۃ.

''مرتدین سے قتال کرنا اولیٰ ہے کفار کے ساتھ قتال کرنے سے''

کیونکہ صاحبِ '' مجمع الانھر''فرماتے ہیں:

''والمرتدين الذين هم أخبث الكفار بالانكار بعد الايمان''۔[1]

''مرتدین درحقیقت کفار کی خبیث ترین قسم ہیں کیونکہ انہوں نے ایمان لانے کے بعد اس کا انکار کیا۔''

اسی طرح امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''المرتدين الذين هم أخبث الكفار بالانكار بعد الاقرار''[2]

''مرتدین درحقیقت کفار کی خبیث ترین قسم ہیں کیونکہ انہوں نے (اسلام کا) انکار کیا اس کو ماننے کے بعد۔''

مضمون کی طوالت کا اگر اندیشہ نہ ہوتا تو اس بات کو اور کھول کر بیان کیا جاتا، مگر حقیقتاً جو شخص چاہے جسم کی دونوں آنکھوں سے محرم ہو مگر دل کی بصیرت سے محروم نہ ہو تو اس کے لئے یہ نصوص قرآنی اور مذکورہ بالا واقعہ ہی کافی ہے کہ کفر و شرک سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی اور بڑا فتنہ اور مفسدہ نہیں ہے۔ اس کے بعد بھی کفر و شرک سے بھی بڑھ کر کسی اور چیز کو ''فتنہ'' اور ''مفسدہ'' سمجھنا الٰہی قوانین سے اعراض کے سوا کچھ نہیں......؟؟

[1] مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر: كتاب السير.

[2] المبسوط، ج:11، ص:480.

چنانچہ جس پر ان نصوص و دلائل کے باوجود یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ "کفر سے بڑھ کر بھی کوئی اور بڑا مفسدہ ہے؟" تو اس کے لئے شیخ ابو محمد عاصم المقدسی فک اللہ اسرہٗ فرماتے ہیں:

"انہیں چاہیے کہ اپنی اصلاح کریں اور علم کے حلقوں میں بیٹھ کر علم حاصل کریں، تاکہ لا الٰہ الا اللہ کے حقیقی معانی سے آگاہ ہو سکیں، کیونکہ اس (کلمہ) کے علم کو حاصل کرنا ہی اللہ نے انسان پر سب سے پہلے فرض کیا۔ لہٰذا نواقض وضوء اور مبطلات صلاۃ سے بھی پہلے اس کلمے کے تقاضوں اور شروط کا علم حاصل کرنا چاہیے کیونکہ نماز اور وضوء اس کے بغیر درست نہیں۔ اب بھی اگر لوگ نہیں سدھرتے اور گھمنڈ میں رہے تو یقینا خسارے میں جائیں گے"۔[1]

[1] الديمقراطيه دين.

باب سوم

طاغوت کا شرعی مفہوم

کوئی بھی نظریہ جن بنیادی اساسوں پر قائم ہوتا ہے یا وہ اپنی جگہ برقرار رہتا ہے، وہ دو ہیں:

(۱) قیادت

(۲) نظام

لہٰذا جب تک یہ دونوں اپنی جگہ برقرار رہیں تو وہ نظریہ دنیامیں پوری آب و تاب کے ساتھ حکومت کرتا ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک بھی اپنی جگہ برقرار نہ رہے، خاص کر جب ''نظام'' ہی باقی نہ رہے تو وہ نظریہ صرف کتابوں کی زینت بن جاتا ہے اور یہ بات بھی حقیقت ہے کہ کسی بھی نظریہ کے انحطاط کا آغاز اس سے وابستہ ''قائدین'' کے انحطاط سے ہوتا ہے اور اس کا اختتام ''نظام'' کے انہدام پر ہوتا ہے۔

طواغیت در طواغیت کی غلامی:

لہٰذا اب تک ہم نے جن مباحث پر سلف و صالحین کا کلام نقل کیا وہ اس بات سے متعلق تھا کہ جس میں ''عمارت خلافت'' یا باالفاظ دیگر ''نظام خلافت'' اپنی جگہ قائم تھا (گو کہ اس میں وقت کے ساتھ ساتھ شکست و ریخت کا عمل جاری تھا) مگر فرق صرف یہ تھا کہ حاکم وقت سے فسق و فجور یا کفر و ارتداد کا ظہور ہو جاتا تھا۔ لیکن اس سے بڑی مصیبت جس میں امت مسلمہ دورِ حاضر میں مبتلا ہے، وہ یہ کہ ایک صدی گزرنے کو ہے اور عمارتِ خلافت ہی موجود نہیں، اور جب خلافت ہی موجود نہیں تو خلیفہ اور اس پر لاگو ہونے والے کے احکامات کا موجودہ طواغیت پر انطباق چہ معنی دارد۔

پھر مصیبت پر مصیبت مسلمانوں پر ایسے "طواغیت"(طاغوت کی جمع)کا بطور حکمران مسلط ہونا ہے جو کہ نہ صرف اپنے خود ساختہ نظام قانون کے مطابق حکومت کرنے والے ہیں بلکہ ان کے یہ نظام اُس عالمگیر کفریہ نظام یعنی "اقوام ملحدۃ" کے ہی ماتحت ہیں جس کو "اقوام متحدہ" کے نام سے جانا جاتا ہے، جس کا ایک اپنا وضع کردہ عالمگیر قانون ہے جس کو(International Law) کہتے ہیں۔ جن کی پابندی ہر اس ملک پر لازم ہوتی ہے جو کہ اس کی چھتری تلے آنا قبول کرلے اور جو اس کی چھتری تلے نہ آئے یا اس کے قوانین کو قبول نہ کرے تو اس کا نہ صرف عالمگیر معاشی بائیکاٹ کیا جاتا ہے بلکہ اس کو اپنی اطاعت "تسلیم" کرنے کے لئے عسکری طور پر تہہ تیغ بھی کیا جاتا ہے۔

گو کہ اس عالمگیر کفریہ نظام کی شناعت کو یہاں تفصیل سے بیان کیا جاسکتا تھا، مگر مختصر اُس نظام کی اثر پذیری کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس ادارہ کے تحت ہر شعبۂ ہائے زندگی کے حوالے سے ایک ذیلی ادارہ موجود ہے مثلاً سیاست کے حوالے سے سلامتی کونسل(SecurityCouncil)،معیشت کے حوالے سے ورلڈ ٹریڈ آرگنائیزیشن(W.T.O) ،صحت کے حوالے سے(W.H.O)،غذائی پروگرام کے حوالے سے(WFP)، تعمیراتی پروگرام کے حوالے سے (UNDP)،ماحولیات کے حوالے سے (UNEP)،بچوں کے حوالے سے (UNICEF)عالمی تنازعات کے حل کیلئے "عالمی عدالتیں"(International Courts)وغیرھم۔ان جیسے ان گنت ادارے ہیں جن کی لسٹ یہاں دینا ممکن نہیں۔سب سے اہم بات یہ کہ اس عالمگیر نظام کے کفریہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کے سب سے کلیدی ادارے یعنی سلامتی کونسل ،جس کے بل بوتے پر اس ادارے کے انٹرنیشنل لاء نافذ العمل ہوتے ہیں،اُس کے اصل کرتا دھرتا کرہ ارض کے وہ ممالک (یعنی امریکہ ،برطانیہ ،روس،چین اور فرانس) ہیں جن کا طواغیت کے سردار ہونے میں کوئی شک نہیں۔اس طرح امت مسلمہ اس وقت غلامی در غلامی در غلامی میں زندگی بسر کررہی ہے۔

گویا آج ہم اس دور میں گذر رہے ہیں جس کے بارے میں خادمِ رسول ﷺ حضرت انس بن مالکt نے فرمایا تھا:

((انما ستكون ملوك ثم الجبابرة ثم الطواغيت))[1]

''عنقریب(تم پر)بادشاہ آئیں گے پھر اس کے بعد جبار حاکم آئیں گے پھر طواغیت کی حکمرانی ہو گی''

لیکن بدنصیبی یہ کہ اُس عالمگیر نظام کفر کے کرتا دھرتا طواغیت کے غلام، وہ کلمہ گو طواغیت جو کہ بلادِ سلامیہ پر مسلط ہیں، ان کی ولایت کا دم بھرنے میں آج علمائے وقت(سوء)،نام نہاد اسلامی دانشوروں اور محققین کی اکثریت رطب اللسان ہیں حالانکہ ان طواغیت کی طرف سے اللہ کے نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کر نہ صرف کفر وارتداد پر مبنی قوانین کو نافذ کرنے بلکہ اس عالمگیر کفریہ نظام کی اطاعت ''تسلیم''کرنے کی وجہ سے ان کے خلاف ''قتال''بالعموم امت مسلمہ پر اور بالخصوص وارثین انبیاء پر لازم ہو جاتا ہے۔ لیکن وقت کے علماء اور دانشور ان کے اسلام کا دم بھرنے اور ان کی ولایت کو جائز قرار دینے اور ان کو خلیفہ المسلمین ثابت کرنے کے لئے اپنے قلم اور زبان کے ساتھ میدان میں اترے ہوئے ہیں اور جو کوئی ان کے خلاف بغاوت کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کو یہ قابل گرفت ہی نہیں بلکہ قابل گردن زنی قرار دے دیتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

ہم نے اس کلام میں بار بار ''طواغیت''کا ذکر کیا لہذا اس لفظ کے بھی شرعی معانی کا بیان اہل ایمان کے لئے کسی فائدے سے کم نہ ہو گا۔

[1] مصنف ابن شيبة،ج:8/7،ص:604/254رقم:85/32۔كنز العمال،ج:11ص:282رقم:31527.

طواغیت سے مراد:

ہم اپنے کلام میں جب موجودہ حکمرانوں کے لئے لفظ "طواغیت" استعمال کرتے ہیں جو کہ جمع ہے "طاغوت" کی، تو اسے ہم کسی لغوی معنوں میں یا موجودہ نام نہاد سیاسی اصطلاح کے طور پر استعمال نہیں کرتے بلکہ اس کو اس کے شرعی معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم "طاغوت" کی قرآنی اصطلاح کو بھی سمجھیں، جس سے انکار اور برأت کرنے کا حکم خود اللہ رب العزت نے دیا ہے:

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾[1]

"جس نے طاغوت کا کفر کیا اور اللہ پر ایمان لے آیا تو اس نے مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔"

اور اسی حکم قرآنی کے بارے میں امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وهذا هو معنىٰ لااله الاالله"[2]

"اور یہی معنی ہے لا الٰہ الا اللہ کے"

شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وافترض الله على جميع العباد، الكفر بالطاغوت والايمان بالله"[1]

---

[1] البقرة: 256.

[2] الاصول الثلاثة: ص55. للشيخ محمد بن سلمان التميمي رحمة الله عليه.

"فرض قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں پر یہ کہ وہ طاغوت کا کفر کریں اور اللہ پر ایمان لائیں"۔

اور ہر رسول کا مقصدِ بعثت بھی یہی ہوتا تھا کہ:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾[2]

"اور تحقیق ہم نے ہر قوم میں رسول کو (اس بات سے خبردار کرنے لئے) بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (کی بندگی) سے بچو"۔

چنانچہ اب ہم مختصر طور پر یہ بھی سمجھ لیتے ہیں کہ سلف صالحین اور فقہاء کرام نے اس لفظ "طاغوت" سے کیا سمجھا ہے اور کس پر انہوں نے اس لفظ کا اطلاق کیا؟ امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"طاغوت ہر اس معبود، یا پیشوا، یا واجب اطاعت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے بندہ اپنی حد سے تجاوز کر جائے۔ لہٰذا ہر قوم کا "طاغوت" وہ ہوا جس کے پاس وہ اللہ اور اس کے رسول کے سوا فیصلے کے لیے جاتے ہیں، یا اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہیں، یا اللہ کی جانب سے بلا بصیرت اس کی اتباع کرتے ہیں، یا اس کی اس بات میں اطاعت کرتے ہیں جس کے متعلق وہ نہیں جانتے کہ وہ اللہ کی اطاعت ہے"۔[3]

شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] الاصول الثلاثة وادلتها: ص51، للشیخ محمد بن سلمان التمیمی رحمۃ اللہ علیہ.

[2] النحل:36.

[3] اعلام الموقعین عن رب العالمین: 50/1.

''ہر وہ شخص جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہو،اور وہ اپنی اس عبادت پر راضی ہو ،چاہے وہ معبود بن کے ہو،پیشوا بن کے،یا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے بے نیاز ،واجب اطاعت بن کے ہو،وہ ''طاغوت''ہوتا ہے''۔[1]

سلیمان بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ''طاغوت''انسان کی صورت میں شیطان ہوتا ہے جس کے پاس لوگ تنازعات کے فیصلے لیجاتے ہیں۔''[2]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اسی لئے ہر حاکم جو کتاب اللہ کے بغیر فیصلہ کرتا ہو اسے طاغوت کہا گیا ہے''۔طاغوت کے سرغنے:[3]

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''والطواغیت کثیر ون، ورؤسهم خمسة :ابلیس لعنه الله ،ومن عبد وهو راض، ومن دعاالناس الی عبادة نفسه ، ومن ادعی شیئاً من علم الغیب، ومن حکم بغیر ما انزل الله''

''طاغوت تو بے شمار ہیں مگر ان کے چوٹی کے سردار پانچ ہیں:

---

[1] الجامع الفرید:265.

[2] تیسیر العزیز الحمید:49.

[3] مجموع الفتاوی:20/128.

❶ ابلیس لعین

❷ ایسا شخص جس کی عبادت کی جائے اور وہ اس فعل پر رضامند ہو۔

❸ جو شخص لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کی دعوت دیتا ہو اگرچہ اس کی عبادت نہ بھی ہوتی ہو۔

❹ جو شخص علم غیب جاننے کا دعویٰ کرتا ہو۔

❺ جو شخص اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے خلاف فیصلہ کرے"۔[1]

مفتیؔ صاحب کے والد محترم مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سورۃ النساء کی آیت ۶۰ کی تفسیر میں ایک منافق کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کئے گئے فیصلہ کو تسلیم نہ کرتے ہوئے یہودی سردار کعب بن اشرف کی طرف رجوع کرنے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اس کی گردن اتارنے کا واقعہ "روح المعانی" میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> لفظ "طاغوت" کے لغوی معنی سرکشی کرنے والے کے ہیں اور عرف میں شیطان کو طاغوت کہا جاتا ہے۔ اس آیت میں کعب بن اشرف کی طرف مقدمہ لے جانے کو، شیطان کی طرف لے جانا قرار دیا ہے، یا تو اس وجہ سے کہ کعب بن اشرف خود ایک شیطان تھا، اور یا اس وجہ سے کہ شرعی فیصلہ چھوڑ کر خلافِ شرع فیصلہ کی طرف رجوع کرنا شیطان ہی کی تعلیم ہو سکتی ہے، اس کی اتباع کرنے والا گویا شیطان ہی کے پاس اپنا مقدمہ لے گیا ہے"[2]

ابو الاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

---

[1] الاصول الثلاثة وادلتها: ص51، للشيخ محمد بن سلمان التميمي رحمۃ اللہ علیہ.

[2] معارف القرآن، جلد دوم، ص457، 458.

"یہاں صریح طور پر "طاغوت" سے مراد وہ حکام ہیں جو قانونِ الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں اور وہ نظام عدالت ہے جو نہ اللہ کے اقتدار اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ کتاب اللہ کو آخری سند مانتا ہو"۔[1]

علامہ شیخ سلیمان بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس آیت میں دلیل ہے اس بات کی کہ طاغوت یعنی کتاب و سنت کے علاوہ دوسروں کے فیصلوں کو چھوڑنا فرائض میں سے ہے اور جو کتاب و سنت کے علاوہ کسی اور طرف فیصلے لیجاتا ہے وہ مومن نہیں بلکہ مسلمان تک نہیں ہے۔"[2]

شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"پس جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اس طرح کرتا ہے کہ وہ کتاب و سنت کے علاوہ کسی اور جگہ سے فیصلہ کراتا ہے یا اپنی خواہشات کی تکمیل میں مگن ہے تو گویا اس نے عملاً ایمان اور اسلام کی رسی کو گردن سے اتار پھینکا۔اس کے بعد خواہ وہ کتنا ہی ایمان کا دعویٰ کرے بے کار ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو جھوٹا قرار دیا ہے ۔حقیقت یہ ہے کہ "طاغوت کا انکار کرنا" توحید کا سب سے بڑا رکن ہے۔ جب تک کسی شخص میں یہ رُکن نہ ہو گا وہ موحد نہیں کہلا سکتا"۔[3]

سلف وصالحین اور مفسرین کے درجِ بالا اقوال سے یہ بات متفقہ طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ "طاغوت" سے مراد ہر وہ شخص یا ادارہ ہے جو الحکم بغیر ما انزل اللّٰہ یعنی اللہ کے نازل کردہ شریعت کو

---

[1] تفہیم القرآن:ص:367.

[2] تیسیر العزیز الحمید ص: 419.

[3] هداية المستفيد:1223.

چھوڑ کر اپنے وضع کردہ یا کسی اور کے بنائے ہوئے قوانین کو نافذ کرے اور اسی کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرے۔

طاغوت کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ:

لہٰذا جو شخص یا ادارہ یا گروہ اللہ کے نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کر اپنے وضع کردہ یا کسی اور کے بنائے ہوئے قوانین کو نافذ کرے تو اس کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول نے کیا فیصلہ دیا ہے ؟ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾

”جو اللہ کے نازل کردہ کلام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی لوگ تو کافر ہیں۔“

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

”جو اللہ کے نازل کردہ کلام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی لوگ تو ظالم ہیں“

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

”جو اللہ کے نازل کردہ کلام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی لوگ تو فاسق ہیں۔“[1]

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں طاؤس رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے جو روایت آئی ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ:

”اللہ کے نازل کردہ احکام کے علاوہ کسی اور چیز سے فیصلہ کرنے والا کافر ہے۔“ [1]

[1] سورۃ المائدۃ: 44،45،47.

مبہم اور متشابہ آثار کو فتنے پیدا کرنے کا ذریعہ بنانا:

عالم عرب کے درباری علماء سے لے کر عالم عجم کے سرکاری مفتیوں کی اکثریت چونکہ "کلمات کو ان کے اصل مقام سے پھیر دینے" کے ماہر ہوتی ہے لہذا اس آیت کے حوالے سے بعض سلف کے اقوال کو اُن کے اپنے مقام سے پھیر کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کوئی بھی شخص چاہے وہ کتنا ہی الحکم بغیر ما انزل اللہ کے ساتھ حکومت کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی شریعت کی دھجیاں بکھیر دے، اس کے باوجود وہ مسلمان رہے گا اور اس کی اطاعت واجب رہے گی۔ اس کی دلیل میں وہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول (کفر دون کفر) جو کہ ایک طرف ضعیف بھی ہے اور دوسری طرف دراصل "خوارج" کے اس باطل استدلال اور غلط فہمی کا رد بھی ہے، جس میں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اپنے باہمی تنازعات واختلافات کے فیصلے کے لئے دو جلیل القدر صحابہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فیصلہ کرنے والا مقرر کرنے کی بناء پر ان حضراتِ صحابہ کے بارے میں یہ کہا تھا کہ یہ حکمتم الرجال "یعنی تم نے انسانوں کو فیصلے کرنے کا اختیار دیدیا ہے"۔ حالانکہ ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ خوارج کی یہ رائے غلط تھی، اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف بالفرض اگرچہ ایک دوسرے پر ظلم کا سبب بھی بنا ہو مگر کفر نہیں تھا کہ انہیں ملت سے خارج کر دیتا۔ چناچہ روایات میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ملتا ہے:

"انه ليس الكفر الذى تذهبون اليه"

"کہ جو تم جو کفر مراد لے رہے ہو، وہ کفر نہیں ہے"۔

[1] رسالہ تحکیم القوانین از مفتی محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ۔ سعودیہ۔

اس میں "تذھبون الیہ" کا جملہ دراصل خوارج اور ان کے متبعین سے خطاب ہے ۔لہٰذا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ان آیات کی تفسیر نہیں بلکہ خوارج کی غلطی کی نشاندہی اور اصلاح کے لئے ہے۔

علامہ احمد محمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ "عمدۃ التفسیر" کی تعلیق میں فرماتے ہیں:

"ہمارے زمانے کے "گمراہ" لوگ جو عالم کہلاتے ہیں، ان کیلئے یہ آثار کھلونا بنے ہوئے ہیں ۔وہ ان آثار سے "وضعی قوانین" (یعنی وہ قوانین جو کہ خود وضع کئے گئے ہوں) کے جواز کی دلیل لیتے ہیں جو آجکل اسلامی ممالک میں وضع کئے جارہے ہیں"۔

بغیر ما انزال اللہ فیصلے کرنا صریح کفر ہے:

چناچہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ عبد اللہ بن طاؤس رحمۃ اللہ علیہما روایت کرتے ہیں کہ:

کسی نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ "جو اللہ کے نازل کردہ کلام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی لوگ تو کافر ہیں۔" کے بارے میں سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ھی کفر "یہی کفر ہے"۔ دوسرے جگہ الفاظ ہیں ھی بہ کفر "یہی تو اللہ کے حکم کا کفر ہے" ایک اور جگہ ان کے الفاظ ہیں کفی بہ کفر "یہی عمل اس کے کفر کے لئے کافی ہے"۔

اس روایت کو عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بھی اور اامام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اور وکیع نے اخبار القضاۃ میں اس کو ذکر کیا ہے۔چناچہ سند صحیح سے ابن

عباس رضی اللہ عنہ سے یہی قول ثابت ہے کہ انہوں نے الحکم بغیر ما انزل اللہ کو ''کفر مطلق'' کہا ہے۔[1]

اس بات کی تائید سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے:

''عن مسروق قال کنت جالسا عند عبد اللّٰہ فقال له رجل ماالسحت؟قال الرشا،فقال فی الحکم؟قال ذاك الكفر،ثم قرأ:﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾۔''[2]

'' مسروق سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں میں بیٹھا ہوا تھا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس تو ایک شخص نے اِن سے پوچھا السحت '' سے کیا مراد ہے ؟ فرمایا:''رشوت''۔ پوچھنے والے نے کہا کہ اس کے ساتھ تحکیم کرنا کیسا ہے ؟ فرمایا: ''فیصلہ کرنا ہی تو کفر ہے'' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ''جو کوئی اللہ کے نازل کردہ کلام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ تو کافر ہیں''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ:

''عن علی رضی اللہ عنہ انه سئل عن السحت؟فقال الرشاء فقیل له فی الحکم قال ذاك الکفر''۔

---

[1] دیکھئے ''رسالۃ فی الطواغیت'' ابو عبد الرحمن الاثری اور ''امتاع النظر'' ابو محمد عاصم المقدسی.

[2] مسند ابي يعلى،ج:11ص:29رقم:5143۔مجمع الزوائد،ج:4ص:199۔المعجم الكبير الطبرانی،ج:8ص:135رقم:9000۔شعب الایمان للبیهقی، ج:11ص:482رقم:5262۔السنن الکبریٰ للبیهقی،ج:10ص:139الابانة الکبریٰ لابن بطة،ج:3ص:125.

"حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ السحت" سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے کہا کہ رشوت۔ اس نے کہا کہ اس کے ساتھ حکم کرنا کیسا ہے؟ فرمایا "یہ کفر ہے"۔[1]

جان لیجئے یہ آیات ہم مسلمانوں کے لئے بطور شریعت نازل ہوئی ہیں۔ یہ بہت بڑا مغالطہ ہے کہ یہ آیات صرف یہود و نصاریٰ کے لئے نازل ہوئی تھی۔ یہ ہی بات کسی نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے کہی تو انہوں نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

((عن همام قال كنا عند حذيفة فذكروا ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ فقال رجل من القوم ، ان هذا فى بنى اسرائيل فقال حذيفة رضی اللہ عنہ نعم الاخوة لكم بنوا سرائيل ان كان لكم الحلو ولهم المر، كلا والذى نفسى بيده حتى تحذوا السنة بالسنة حذو القذة بالقذة))[2]

"ہمام سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں ہم حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پاس تھے۔ پس ذکر ہوا اس آیت کے بارے میں کہ "جو کوئی اللہ کے نازل کردہ کلام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ تو کافر ہیں"۔ پس کہا قوم میں سے ایک شخص نے کہ یہ آیات تو بنی اسرائیل کے متعلق نازل ہوئی تھی، تو حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "کتنے اچھے بھائی ہیں تمہارے لئے بنی اسرائیل کہ میٹھا میٹھا سب تمہارے لئے اور کڑوا کڑوا سب ان

---

[1] كنز العمال، ج:2ص:402.

[2] الابانة الكبرىٰ لابن بطة، ج:3ص:53رقم:1011۔تفسير ابن ابى حاتم، ج:22 ص:295رقم:6464۔مستدرك الحاكم، ج:7ص:350رقم:3175۔هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه.

کیلئے ہر گز نہیں! اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم انہی کے طریقے پر قدم بقدم چلوگے"۔

عظیم محدث امام ابو یعقوب بن اسحاق حنظلی رحمۃ اللہ علیہ جو "ابن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ" کے نام سے مشہور ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پایا کے امام ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جس نے اللہ کو یا رسول اللہ کو گالی دی یا "مَا اَنْزَلَ اللّٰه " اللہ کے نازل کردہ دین میں سے کسی حکم کو رد کر دیا یا کسی نبی کو قتل کیا ہو گا اگرچہ وہ "مَا اَنْزَلَ اللّٰه "(اللہ کی شریعت) کا اقرار بھی کر رہا ہو پھر بھی وہ کافر ہے۔" [1]

چنانچہ سلف و صالحین اور فقہاء کرام کے معروف دس (۱۰) "نواقض اسلام" یعنی وہ عقائد و افعال جن کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اس میں چوتھا یہ ہے کہ:

"جو شخص یہ سمجھے کہ کوئی ہدایت یا قانون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور شریعت و قانون سے جامع تر یا مکمل تر ہے یا یہ کہ کسی اور کا حکم و قانون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم و قانون سے بہتر ہے مثلاً وہ شخص جو طاغوتوں کے حکم و قانون کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون پر ترجیح دے، تو ایسا شخص کافر ہے"۔

اور اس میں پانچواں "نواقض اسلام" یہ ہے کہ:

"وہ شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لائے ہوئے دین اور شریعت کی کسی بھی بات سے نفرت اور بغض رکھتا ہو، ایسا شخص کافر ہے اگرچہ وہ اس پر عمل پیرا ہی کیوں نہ ہو"۔

اور اس میں چھٹا "نواقض اسلام" یہ ہے کہ:

---

[1] الصارم المسلول بحواله اکفار الملحدین، ص332.

"وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کے دین کی کسی بات یا آپ ﷺ کے ذکر کردہ کسی ثواب یا عذاب کا مذاق اڑائے، کافر ہو جاتا ہے"۔

کیا آج بلادِ اسلامیہ پر حکومت کرنے والے حکمرانوں کی اکثریت کے اندر یہ تینوں صفات بدرجۂ اتم نہیں پائی جاتی، مگر کیا کہیے! اُن دانشوروں اور مفکرین و محققین کی عقل و فراست پر جو ان طواغیت کو اب بھی مسلمان ثابت کرنے میں اپنی توانائیاں صرف کررہے ہیں بلکہ اُن پر "خلیفۃ المسلمین" کے احکامات لاگو کرنے پر بضد ہیں۔ حالانکہ یہ فعل اس لحاظ سے انتہائی خطرناک ہے کہ کوئی بھی شخص جس سے واضح طور پر اقوال وافعالِ کفر ظاہر ہوں، پھر بھی اس کے کفر میں شک کرنا اور اس کو مسلمان سمجھنا ،انسان کو خود دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ جیسا کہ قادیانیوں کو اگر کوئی مسلمان سمجھتا ہے تو وہ بھی کافر ہو جاتا ہے۔

ضروریات دین کا منکر کافر ہے:

لہٰذا جو شخص یا گروہ یا ادارہ، کسی بھی معاملہ میں جس میں شریعت کا حکم بالکل واضح ہو، اس کو چھوڑ کر غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے نافذ کرے تو حقیقت میں اس وقت وہ صریح "کفر" کا مرتکب ہو رہا ہوتا ہے۔ امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جو شخص "ضروریاتِ دین" میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کرتا ہے وہ "کافر" ہے اور (بالفاظ قرآنی، سورۃ البقرۃ:۸۵) ان لوگوں میں سے ہے جو کتاب اللہ کے کسی حکم کو مانتے ہیں اور کسی حکم کا انکار کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ باتفاق امت قطعاً "کافر" ہیں ،اگرچہ یہ لوگ اپنے ایمان، دینداری اور خدمت اسلام کا ڈھنڈورا پیٹتے پیٹتے مشرق و مغرب کی قلابیں اور یورپ کو ہلا ڈالیں۔" [1]

[1] اکفار الملحدین، ص17.

"ضروریاتِ دین"کی تعریف کرتے ہوئے امام العصر حضرت مولا نا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ضروریاتِ دین سے (مراد) وہ تمام قطعی اور یقینی امورِ دین ہیں جن کا دین رسول اللہ سے ہونا قطعی طور پر معلوم ہے اور حد تواتر و شہرتِ عام تک پہنچ چکا ہے، حتی کہ عوام کا وہ بھی طبقہ جو دین سے کوئی تعلق رکھتا ہو ان کو دین رسول اللہ جانتا اور مانتا ہو۔ مثلاً توحید، نبوت، ختم نبوت، حیات بعد الموت، جزا و سزائے اعمال، نماز اور زکوٰۃ کا فرض ہونا، شراب اور سود وغیرہ کا حرام ہونا۔"[1]

یہاں تک وہ مزید فرماتے ہیں:

"ضروریاتِ دین میں کوئی ایسی تاویل کرنا بھی "کفر" ہے جس سے اُس کی وہ صورت باقی نہ رہے جو تواتر سے ثابت ہے، اور جو اب تک ہر زمانے کے خاص و عام مسلمان سمجھتے اور سمجھاتے چلے آئے ہیں، اور جس پر امت کا تعامل رہا ہے۔"[2]

اسی طرح جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے کلمہ کا اعتبار نہ کیا اور ان کو قتل کیا تو بشری قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والے اور شریعت الٰہی کو رَد کرنے والے بھی یقیناً کافر ہیں، چاہے وہ کلمہ پڑھتے ہوں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جو شخص بھی کسی (قطعی) حکم شرعی کا انکار کرتا ہے، وہ اپنی زبان سے کہے ہوئے قول "لا الٰہ الا اللّٰہ" کی تردید کرتا ہے۔"[3]

---

[1] اکفار الملحدین، ص65،66.

[2] اکفار الملحدین، ص75.

[3] ''السیر الکبیر'' بحوالہ ''اکفار الملحدین'' ص175.

ابن ہبیرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"بعض مسلمان دین سے خارج ہونے کا قصد اور اسلام کے بجائے کسی اور دین کے اختیار کرنے کا ارادہ کئے بغیر بھی (محض اپنے کفریہ عقائد و اعمال کی بناء پر) دین سے خارج اور کافر ہو جاتے ہیں۔"[1]

شیخ عبد اللہ بن حمید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" جس نے لوگوں پر کوئی ایسا قانون بنا کر نافذ کیا جو اللہ کے حکم سے متعارض ہو تو ایسا کرنے والا امت سے خارج ہے اور کافر ہے"۔[2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جس نے کوئی عمل یا قول ایسا کیا جو کفر کے زمرے میں آتا ہے تو وہ شخص کافر ہو گیا اگرچہ اس نے کافر ہونے کا قصد نہیں کیا تھا اس لئے کہ کافر بننے کا ارادہ کوئی بھی نہیں کرتا۔"[3]

اسی حوالے سے مزید فرماتے ہیں:

" جب کوئی انسان ایسی چیز کو حلال قرار دیدے جو بالاجماع حرام ہے یا بالاجماع حرام کو حلال قرار دیدے یا متفقہ شریعت کو تبدیل کر دے تو وہ باتفاق فقہاء کافر و مرتد ہے۔"[4]

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] اکفار الملحدین، ص131.

[2] نقل عن كتاب الايمان ومبطلاته فى العقيدة الاسلامية.

[3] الصارم المسلول: 177.

[4] مجموع الفتاوی/2683.

”اسی طرح اس شخص کو بھی قطعی طور پر ”کافر“ کہا جائے گا جو شریعت کے کسی بھی اصول کی اور ان عقائد و اعمال کی تکذیب یا انکار کرے جو نقل تواتر کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اور ہر زمانے میں ان پر امت کا اجماع رہا ہے۔“ [1]

مشہور سعودی عالم دین شیخ محمد الصالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”جس نے اللہ کی شریعت کو حقیر و معمولی سمجھ کر اس کے مطابق حکومت نہیں چلائی یا یہ عقیدہ رکھا کہ دوسرے نظریات و قوانین اسلام کی بنسبت زیادہ مفید اور موجودہ دور کے موافق ہیں، تو ایسا شخص کافر ہے، دین اسلام سے خارج ہے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو خلاف اسلام قوانین بناتے ہیں اور لوگوں کو ان پر عمل کی تاکید کرتے ہیں۔ یہ لوگ شریعت کو چھوڑ کر خود اس لئے قوانین بناتے ہیں کہ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ شریعت سے زیادہ مفید اور حالات کے لئے موزوں ہیں یہ ہم اس بنیاد پر کہہ رہے ہیں کہ انسانی فطرت یہ ہے کہ وہ ایک طریقہ چھوڑ کر دوسرا طریقہ تب اپناتا ہے جب وہ اسے پہلے والے سے بہتر نظر آتا ہو یا پہلے والے میں کوئی نقص یا سقم نظر آیا ہو۔“[2]

قطعی کلام:

وہ علمائے سوء جن کا مقدر ہی عصر حاضر کے طواغیت کے چرنوں میں بیٹھنا ہے وہ ان کی ولایت کو ”تسلیم“ کئے رہنا ہے، وہ یہ موٴقف اختیار کرتے ہیں کہ کوئی بھی شخص اپنی خواہش نفس کی بنیاد پر اگر بغیر ما انزل اللہ فیصلے کرے تو وہ فاسق ہوتا ہے لیکن وہ کافر نہیں ہوتا لہٰذا آج کے حکمران غفلت کی وجہ

[1] اکفار الملحدین، ص189.

[2] المجموع العیثمین ص 61/1.

سے خواہش نفس کی بنیاد پر فیصلے دیتے ہیں لہذا ان کی اطاعت کو "تسلیم" کئے رہنا چاہیے اور ان کے خلاف مسلح خروج نہیں کرنا چاہیے۔

لہٰذا ضروری ہو گیا ہے کہ "خواہش نفس" کی بنیاد پر بغیر ماانزل اللہ فیصلے کو شریعت کی روشنی میں واضح کیا جائے تاکہ علماء وقت (سوء) اس باب میں جو مغالطہ اور ابہام عامۃ المسلمین کے ذہنوں میں ڈالتے ہیں تاکہ وہ اس کے ذریعے ان طواغیت کے احکامات کو "نافذ العمل" ہی سمجھتے رہیں، اس کو رفع کیا جاسکے۔ چناچہ طوالت کی خوف سے ہم صرف مولانا امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ سے پوچھا گیا ایک فتویٰ قارئین کے پیش نظر کر دیتے ہیں جس سے یہ مسئلہ واضح اور مبین ہو جائے گا۔

سوال:

"شیخ امین اللہ پشاوری حفظہ اللہ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، حالانکہ وہ اس کی قدرت بھی رکھتے ہیں اور مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ پھر یہ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ اُلٹا ایسے کفریہ قوانین کے مطابق فیصلے کرتے ہیں جن میں سے بیشتر دین اسلام سے متصادم ہیں۔ نیز یہ لوگ شرعی اصول عام کرنے کی سعی بھی نہیں کرتے، نہ اس بارے میں سوچتے ہیں .... اور اس کے برعکس جو کوئی ان کے خود ساختہ قانون کی مخالفت کرے، یہ اسے پکڑتے ہیں اور گرفتار کرتے ہیں اور اسے قتل تک کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ ازراہِ کرم بتایئے کہ کیا یہ لوگ ملت سے خارج کفار ہیں، یا محض گناہ گار مسلمان؟......... اللہ آپ کے علم و عمر میں برکت عطا فرمائے"!

جواب:

"تمام تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر، ان کی آل پر، ان کے اصحاب اور ان کے خلفاء پر......... امابعد:

بلاشبہ ایک ایسی "اسلامی خلافت" کا قیام جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کو مکمل طور پر نافذ کرے، اہم ترین دینی واجبات میں سے ہے اور ہر مسلمان پر اس کے لئے بقدرِ استطاعت کوشش و سعی کرنا "فرض" ہے۔اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین نہیں فرمائی جب تک وہ خلیفہ کے چناؤ سے فارغ نہیں ہوگئے۔ پس پہلے خلیفہ کا تقرر کیا گیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ مبارک کی تدفین۔

خوب جان لو! شریعت الٰہی سے ہٹ کر فیصلہ کرنے والوں کی دو اقسام ہیں:

پہلی قسم:

وہ شخص جو اسلام کا اقرار کرتا ہو اور اس کا ایمان ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا ہے وہ حق و سچ ہے اور اسے ہر دوسری شریعت پر ہر اعتبار سے فضیلت حاصل ہے۔ لیکن پھر بھی یہ شخص اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہوئے یا عصبیت کے جذبے سے مغلوب ہو کر کسی "جزوی و انفرادی" مسئلے میں شریعت سے ہٹ کر فیصلے کر بیٹھے اور اس پر (فخر کے بجائے) شرمندگی بھی محسوس کرے اور یہ اعتقاد بھی رکھے کہ میرا یہ فعل قطعی غلط ہے ۔ایسے شخص کو دین سے نکلے ہوئے خارجیوں کے سوا کوئی کافر نہیں کہتا اور مفسرین نے بھی آیت ﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ﴾ کے ذیل میں اگر شریعت سے ہٹ کر فیصلہ کرنے کو کافر کہنے سے احتراز کیا ہے تو وہ اسی قسم کے لوگوں کا تذکرہ کر رہے ہوتے تھے۔

دوسری قسم:

وہ شخص جسے مکمل قدرت و اختیار حاصل ہو، اللہ نے اسے حکومت و اقتدار بخشا ہو اور اگر وہ چاہے تو ایک دن کے اندر اندر تمام حکومتی عہدیداروں کو معزول کر دے......... پھر اس کے باوجود وہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے نہ کرے، نہ اس بارے میں سوچے، نہ

اس کے لئے سعی کرے اور اُلٹا انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق لوگوں پر حکومت کرے، اگرچہ وہ بالکلیہ شریعت سے متصادم ہوں یا ان کی اکثریت خلافِ شرع ہو ۔نیز یہ شخص شریعت کے کسی حکم کو تب ہی باقی رکھے جب کہ وہ اس کی خواہشات سے نہ ٹکرائے، مثلاً لوگوں سے زکوٰۃ، عشر اور خراج وغیرہ وصول کرنے کا حکم باقی رکھے (کیونکہ اس کے نتیجے میں حکومت کو بہت سے اموال حاصل ہوتے ہیں)۔اسی طرح وہ ایسے شرعی احکام باقی رکھنے پر بھی راضی ہو جس کی گنجائش وہ اپنے ''کفری انسانی قانون''میں پائے ،لیکن وہ ان شرعی احکام کو یہ سمجھ کر باقی نہ رکھ رہا ہو کہ یہ اللہ کا حکم ہیں(کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ مکمل احکام نافذ کرتا)، بلکہ محض اس لئے باقی رکھ رہا ہو کہ یہ احکامات اس کے (مذموم)مقاصد میں کوئی خاص رکاوٹ نہیں ڈالتے ۔کچھ شک نہیں کہ ایسا کرنے والا شخص کافر و مرتد ہے اور اسلام سے خارج ہے۔ان کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان صادق آتا ہے کہ:((حتی تروا منهم كفراً بواحاً))یعنی ''بلاشبہ یہ شخص کفر بواح کا مرتکب کافر ہے اور اس کو توبہ کی دعوت دینے کے بعد قتل کرڈالنا واجب ہے''۔[1]

ایک اور جگہ آپ فرماتے ہیں:

''ولا شك أن من لم يحكم بشيئ مماأنزل الله تعالىٰ لا يكون الا غير مصدق ولانزاع فى كفره۔أقول: فتدبر فى هذ التفسير أن الذى لايحكم بجميع ماأنزل الله كافر باجماع المسلمين، ولايغرنك بعض القوانين الاسلامية فى بلادالاسلام فانها ماأقيمت لأنها شرع الله بل لموافقتها قوانين الاوروبين والكافرين، فلاتنس هذا''۔[2]

---

[1] فتاویٰ الدین الخالص ،المجلد 2،ص:163.

[2] فتاویٰ الدین الخالص ،المجلد 6.

"میں کہتا ہوں کہ : آیت مبارکہ ﴿وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ﴾ کی اس تفسیر پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ جو شخص ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلہ نہ کرے، اس کے کافر ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ پس کہیں یہ بات آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے کہ آج مسلم خطوں میں بعض اسلامی قوانین بھی تو نافذ ہیں۔ یاد رکھئے! یہ قوانین اس لئے نہیں نافذ کئے گئے کہ اللہ کی شریعت نے ان کے نفاذ کا مطالبہ کیا ہے، بلکہ انہیں اس لئے برداشت کیا گیا ہے کہ اہل یورپ اور کفار کے قوانین میں بھی ان کی گنجائش موجود ہے۔ پس یہ نکتہ بخوبی ذہن نشین رہنا چاہیے!"

انسانوں کے وضع کردہ آئین و دستور کی شرعی حیثیت:

مفتی صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"چنانچہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کوئی ایک مرکزی حکومت نہیں تھی، بلکہ مختلف قبیلے مختلف سرداروں کے تحت رہتے تھے۔ انہی میں یہودیوں کے بھی کچھ قبائل آباد تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو ایک "مرکزی حکومت" میں پرونے کا انتظام فرمایا جسے اہل مدینہ نے خوش آمدید کہا۔ اس موقع پر آپ نے اس ریاست کا ایک "تحریری دستور" مرتب فرمایا جس میں تمام باشندوں کے حقوق و فرائض طے کئے گئے، اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مرحوم کی تحقیق کے مطابق یہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور تھا جو سینتالیس دفعات پر مشتمل ہے"۔[1]

[1] اسلام اور سیاسی نظریات، ص:344۔ طبع جدید نومبر 2010ء۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی.

مفتی صاحب رسول اللہ ﷺ کے مدینہ آمد پر جس دستاویز کو ”تحریری دستور“ قرار دے رہے ہیں دراصل وہ ایک معاہدہ تھا جو کہ ”میثاق مدینہ“ کے نام سے مشہور ہے جس کو ہم ”معاہدۂ مدینہ“ بھی کہہ سکتے ہیں ۔ایک ادنیٰ سے ادنیٰ طالبعلم بھی یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ ”معاہدہ“اور ”دستور“میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔معاہدہ معین یا غیر معین دونوں صورتوں میں ہوتا ہے۔اسی طرح یہ دو فریقوں کے درمیان ہوتا ہے اور ایک فریق کی طرف سے کسی بھی شق کی خلاف ورزی کی صورت میں عملاً ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ میثاق مدینہ اور ”صلح حدیبیہ“کے معاملے میں ہوا۔لیکن وہ اصول و قواعد جن کی بنیاد پر کسی بھی ریاست کو چلایا جاتا ہے ،جس کو جدید اصطلاح میں ”آئین “اور”دستور“کہتے ہیں، کسی معین مدت کے لئے نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ دو فریقوں کے درمیان ہوتے ہیں بلکہ یہ کسی بھی نظام کی عملداری کے لئے وضع کئے جاتے ہیں۔جس کی پابندی سب پر لازم ہوتی ہے اور کسی گروہ کی جانب سے اس کی خلاف ورزی سے یہ ختم یا ٹوٹ نہیں جاتا۔

لیکن علمائے سوء کی طرف سے الفاظ کا یہی ہیر پھیر ہے جس کی بنیاد پر آج کے طواغیت کھلم کھلا اپنے کفر و شرک کے ساتھ حکومت کر رہے ہیں اور ان کے ظلم و ستم کے سبب عامۃ المسلمین کا اپنے جسم و جان کا رشتہ قائم رکھنا دشوار ہوتا جارہا ہے لیکن علماء سوء اور ان کے دامِ فریب میں آنے والے چند مخلص اہل علم بھی اسی آئین و دستور کی ”تدوین یا ترمیم“ کے کھیل تماشے میں اپنی زندگی کی ساری توانائیاں کھپا رہے ہیں، لیکن نتیجہ سوائے مایوسی اور ناکامی کے کچھ نہیں ہے۔ہم اللہ سے ایسی بے ثمر سعی اور لاحاصل محنت سے پناہ مانگتے ہیں جس کا دنیا میں کوئی فائدہ ہوں اور نہ ہی اس پر ہم اللہ سے آخرت میں اجر کے طالب ہو سکتے ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ ”دین اسلام“(یعنی نظام اسلام)کے قانون (یعنی شریعت اسلامی)کے تکمیل کے بعد جبکہ کسی نئے ”آئین و دستور“کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اس کے عملی نفاذ کی ضرورت ہے،ایسے میں بلاد اسلامیہ پر مسلط ”طواغیت“اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کیلئے شریعت اسلامی کے عملی نفاذ کے بجائے اس کے نفاذ کو ایک ”نئے آئین و دستور“کی تشکیل سے مشروط کر دیتے ہیں اور پھر ایک

طویل عرصہ نئے آئین کی تشکیل نو میں یا پھر اس کی غیر اسلامی شقوں کی تصحیح میں گزر جاتا ہے، مگر اس کے باوجود شریعت کے نفاذ کی کوئی عملی صورت سامنے نہیں آتی، سوائے چند ایسی دفعات کے جن کا جزوی تعلق اسلامی عبادات سے ہوتا ہے، باقی رہے اجتماعی معاملات تو وہ تو صرف تابع ہو جاتے ہیں ان قوانین کے جو کہ طواغیت نے اپنی طرف سے وضع کئے ہوں یا ان کے بیرونی طواغیت، جن کی وہ پوجا کرتے ہیں ان کے حکم پر وضع کئے گئے ہوں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

((ویتبع من کان یعبد الطواغیت الطوغیت))[1]

''طاغوت ہی طاغوت کے پجاریوں کی اتباع کرتے ہیں''۔

آج بلاد اسلامیہ پر رائج تمام آئین و دستور اسی کے آئینہ دار ہیں۔ ان سب کی مثال چنگیز خان کے وضع کردہ قوانین کی کتاب ''یاسق'' کی سی ہے جو کہ اس نے یہودیت، نصارانیت اور اپنی خواہشات پر وضع کی تھی اور ساتھ ساتھ کچھ اسلامی قوانین کی جھلک بھی رکھ دی تھی اور بعد میں اس کی اولاد جبکہ وہ مسلمان ہو گئی تھی، اس کے باوجود انہوں نے اس کتاب کو ملک کے ''آئین و دستور'' کی حیثیت دے کر اس کو ہی ''نافذ العمل'' قرار دیا تھا اور لوگوں سے اس کی اطاعت ''تسلیم'' کراتے تھے۔ چنانچہ اس وقت کے علمائے حق نے تاتاریوں کے اس عمل کو ''کفر'' سے تعبیر کیا اور ان کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کرکے ان کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ﴾ ''(اگر یہ اللہ کے قانون سے منہ موڑتے ہیں) تو کیا پھر یہ جہالت کے حکم اور فیصلے کے خواہش مند ہیں؟'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت کر رہا ہے جو اس کے ایسے احکام کو چھوڑ رہے ہیں جن میں ہر قسم کا خیر ہے، ہر قسم کے شر سے روکنے والے ہیں، ایسے احکام کو چھوڑ کر لوگوں کی

[1] صحیح البخاری، ج:22ص447رقم:6885۔صحیح المسلم، ج:1ص:425رقم:276.

خواہشات، ان کی آراء اور "خود ساختہ اصطلاحات" کی طرف جاتے ہیں، جس طرح دورِ جاہلیت کے لوگ اسی طرح کے جاہلانہ اور گمراہ کن احکامات کو نافذ کرتے تھے جو انہوں نے اپنی خواہشات اور آراء سے بنائے ہوئے ہوتے تھے اور جس طرح کے فیصلے اور احکامات تاتاری کرتے تھے جو انہوں نے اپنے بادشاہ چنگیز خان سے لئے تھے۔ چنگیز خان نے تاتاریوں کے لئے "یاسق" وضع کیا تھا۔ یاسق اس" مجموعہ قوانین" کا نام ہے جو چنگیز خان نے مختلف مذاہب، یہودیت، نصرانیت اور اسلام وغیرہ سے لے کر مرتب کیا تھا۔ اس میں بہت سے ایسے احکام بھی تھے جو کسی مذہب سے ماخوذ نہیں تھے وہ محض چنگیز خان کی خواہشات اور اس کی صوابدید پر مبنی تھے۔ یہ کتاب بعد میں قابل اتباع قرار پائی اور وہ اس کتاب کو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے احکامات پر بھی مقدم رکھتے تھے۔ ان میں سے جس جس نے بھی ایسا کیا ہے وہ کافر ہے، واجب القتل ہے جب تک کہ توبہ کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی طرف نہ آئے اور ہر قسم کا چھوٹا بڑا فیصلہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق نہ کرے۔"[1]

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"وفی ذلك كله مخالفة لشرائع الله المنزلة على عباده الأنبياء عليهم الصلاة والسلام ،فمن ترك الشرع المحكم المنزل على محمد بن عبد الله خاتم الأنبياء وتحاكم الى غيره من الشرائع المنسوخة كفر،فكيف بمن تحاكم الى الياسق وقدمها عليه؟من فعل ذلك كفر باجماع المسلمين"[2]

[1] تفسیر ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ ج:2ص:68.

[2] البداية والنهاية،ج:13،ص:139.

''یہ تمام (خود ساختہ) قوانین ان شریعتوں کی مخالفت سے پر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائیں۔ پس جو شخص بھی خاتم الانبیاء محمد بن عبد اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل کردہ محکم شریعت کو چھوڑ کر اپنے فیصلوں کے لئے کسی منسوخ شدہ شریعت کے طرف گیا، اُس نے کفر کیا۔ (پس جب رب ہی کی نازل کردہ کسی سابقہ شریعت کو فیصل ماننا بھی کفر ہے) تو پھر ''یاسق'' جیسی (خود ساختہ) کتاب کی طرف فیصلے لے کر جانا اور اسے شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر مقدم جاننا کتنا سنگین جرم ہو گا؟ بلاشبہ جو شخص بھی ایسا کرتا ہے، اس کے مرتکبِ کفر ہونے پر امت کا اجماع ہے''۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس عنوان کے ثبوت میں '' اجماعِ علماءِ اسلام '' کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جس کسی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ شریعت کو چھوڑ کر سابقہ منسوخ شریعتوں میں سے کسی شریعت سے رجوع کیا تو ایسے شخص نے اسلامی شریعت کا انکار کیا ہے۔ بھلا کوئی یہ تو بتائے کہ اس شخص کے بارے میں کیا نظریہ رکھا جائے جو سابقہ شریعت سے رجوع تو نہیں کرتا بلکہ خود ساختہ یا جیسے مثال کے طور پر چنگیز خان کے نظامِ حکومت کو اپنے نزاعات کا حل سمجھ لے؟ ہر انصاف پسند شخص کا یہی جواب ہو گا کہ ایسے شخص کو بھی باتفاق علماء اسلام ''کافر'' جانا جائے''۔ [1]

ماضی قریب اور عصر حاضر کے علماء کا وضعی ''آئین و دستور'' پر موقف:

مفتیؔ صاحب کا یہ دعویٰ کس قدر حقیقت پر مبنی ہے کہ:

---

[1] البدایہ والنہایۃ 128/13.

"اس لئے مجبوری کی حالت میں ان حکومتوں کو "تسلیم" کئے بغیر چارہ نہیں ہے، ورنہ شدید خلفشار لازم آئے گا۔ ماضی میں بھی حکومتیں کئی کئی رہیں، اور "علماء امت" نے ان کے احکام کو نافذ العمل سمجھا ہے"۔[1]

چنانچہ ماضی قریب اور عصر حاضر میں علماء امت یا باالفاظ دیگر علمائے حق کا انسانوں کے بنائے ہوئے وضعی اور خود ساختہ "آئین و دستور" کے بارے میں کیا مؤقف ہے، اس کو بھی جان لیتے ہیں تاکہ اصل حقیقت واضح ہو جائے۔ یہاں ایک بات اور پیش نظر رہے کہ اگر کسی اہل علم نے عصر حاضر کے خود ساختہ اور وضعی قوانین مبنی نظام کو، جو کہ اپنے قوانین کے اعتبار سے بھی کفریہ اور شرکیہ ہوں، ان کو صحیح یا جائز سمجھا تو اس پر اس کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اگر تو اس نے یہ کام کسی جہل کی بنیاد پر کیا، اور اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے تو ہم اس کے لئے اللہ رب العزت سے معافی کے خواستگار ہیں اور اگر اس نے یہ کام جانتے بوجھتے ہوئے کیا تو اس کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے ﴿لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى﴾، باقی رہا زندوں کا معاملہ تو ان کے لئے اس وقت تک رشد و ہدایت کی طرف لوٹ کر آنے کے لئے مہلت باقی ہے، جب تک جان حلق تک نہ آجائے۔

شیخ حامد الفقی رحمۃ اللہ علیہ، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے درج بالا اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے دور حاضر کے رائج "آئین و دستور" کے بارے میں فرماتے ہیں:

"ان تاتاریوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر وہ لوگ ہیں جو انگریزوں کے قوانین اپناتے ہیں اور اپنے مالی، فوجداری اور عائلی معاملات کے فیصلے ان کے مطابق کرتے ہیں اور ان انگریزی قوانین کو اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر مقدم رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ بغیر کسی شک و شبہ کے "مرتد اور کافر" ہیں اور جب تک وہ اس روش پر قائم رہیں اور اللہ کے حکم کی طرف رجوع نہیں کریں تو وہ اپنا نام کچھ بھی کیوں نہ رکھ لیں، انہیں اس سے

[1] اسلام اور سیاسی نظریات، ص:246۔ طبع جدید نومبر 2010ء۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی۔

کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور وہ اسلام کے ظاہری اعمال میں سے جتنے چاہیں عمل کر لیں، وہ سب کے سب بیکار ہیں جیسے نماز، روزہ اور حج و عمرہ وغیرہ"۔[1]

شیخ عبد الرزاق عفیفی فرماتے ہیں:

جو شخص خود کو مسلمان کہتا ہو اسلام کے احکام سے واقف ہو پھر لوگوں کے لئے خود قوانین وضع کرے، ان کے لئے کوئی نظام بنائے تاکہ لوگ اس کے مطابق زندگی گزاریں، اس کے مطابق فیصلے کریں اور وہ شخص جانتا ہو کہ یہ قوانین اسلامی احکام کے مخالف ہیں، تو ایسا شخص کافر ہے اور ملت اسلامی سے خارج ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی (کافر ہو جاتا ہے) جو اس مقصد کے لئے کمیٹی تشکیل دیتا ہے یا لوگوں کو حکم یا رائے دیتا ہے کہ ان قوانین یا نظام کو اپنائیں حالانکہ اسے معلوم ہے کہ یہ اسلام کے خلاف ہیں"۔[2]

علامہ شنقیطی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ الکہف کی آیت ﴿لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا﴾[3] "اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اللہ کے حکم میں کسی بھی قسم کے احکام کی آمیزش نہ کرے، حکم صرف اور صرف اللہ ہی کا "تسلیم" کرے۔ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جو بھی حکم، جو فیصلہ اللہ نے کر دیا ہے اسے بغیر کسی ملاوٹ کے "تسلیم" کرنا ہے۔ اللہ کے فیصلوں میں سب سے پہلا فیصلہ ہے اس کے بنائے اور نازل کئے ہوئے قوانین کے مقابلے میں جو لوگ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی اتباع کرتے ہیں، جو کہ دراصل شیطانی قوانین ہیں جو اس نے اپنے متبعین کے ذریعہ بنوائے ہیں، یہ سراسر اللہ کی شریعت

---

[1] فتح المجید:8383.

[2] شبهات حول السنة ورسالة الحكم بغير ما انزل ص 36 طبعة دار الفضيلة.

[3] سورۃ الكهف:26.

کے خلاف ہیں اور ان کی تابعداری کرنے والے بلا شک و شبہ کافر ہیں، اللہ نے ان کی بصارت و بصیرت (دونوں) چھین لی ہے۔ یہ لوگ وحی الٰہی کے نور سے مکمل طور پر محروم ہیں''۔ [1]

مولانا صدرالدین اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''نظام طاغوت سے برأت'' میں سورۃ المائدۃ کی آیت ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''جب غیر الٰہی قوانین کے مطابق فیصلہ کرنا ظلم اور فسق اور کفر کا کام ہے تو اندازہ فرمائیے کہ قوانین الٰہی کے مقابلے میں ''آئین و قانون'' بنانے والا کس زمرے میں شمار ہوگا؟ ایسے ہی لوگ تو ہیں جنہیں طاغوت کا لقب دیا گیا ہے:

﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ﴾ ''یہ چاہتے ہیں کہ اپنا مقدمہ طاغوت کے پاس لے جا کر فیصلہ کرائیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اُس کا انکار کریں''۔ کھلی بات ہے کہ اس طاغوت سے (صرف) ابلیس نہیں مراد ہے ،بلکہ وہ یہودی سردار ہیں (جیسے کعب بن اشرف وغیرہ) جو خود ساختہ اصولوں کے مطابق لوگوں کے فیصلے کیا کرتے تھے، حالانکہ اللہ کا قانون ان کی بغل میں موجود تھا''۔ [2]

مشہور سعودی عالم دین ڈاکٹر سفر بن عبد الرحمن الحوالی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

''لادین حکمران اللہ کے نازل کردہ دین کی بجائے نیا نظامِ حکومت، نئے قوانین بناتے ہیں، اس کو صرف ''بے دینی'' کی زندگی گزارنا کہتے ہیں؛ درحقیقت یہی تو وہ نظامِ جاہلیت ہے

[1] اضواءالبیان 4/28-38.

[2] نظام طاغوت سے برأت، ص:17 تا 20.

(جسے ختم کرنے کے لئے اسلام کا ظہور ہوا تھا) جس کی اسلام کے ساتھ مطابقت ناممکن ہے، چناچہ اسے دائرہ اسلام میں لانا کسی بھی صورت جائز نہیں۔ اس لئے قرآن نے اس کی واضح تردید کی ہے"۔[1]

مالاکنڈ ڈویژن کے مشہور عالم ربانی مولانا ولی اللہ بلگرامی شہید رحمۃ اللہ علیہ جن کو حال ہی میں بے دردی سے شہید کیا گیا، پاکستان کے کفری دستور کے بارے میں فرماتے ہیں:

''وهم يدعون أنها دولة اسلامية، بل هي حصن الاسلام۔ وأما في نفس الأمر ،فلست دولة باكستان دولة اسلامية، ولادار اسلام لأن دستورها دستور كفري، وبالصلوة والصيام واقامة الجمعة والأعياد لا تكون اسلامية، والا فتكون دول أوروبا وأمريكا وغيرها دولة اسلامية بعين هذا الدليل﴿هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ﴾[2]''۔[3]

" وہ (لوگ جو) بالعموم دعویٰ کرتے ہیں کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست بلکہ "اسلام کا قلعہ" ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ارباب حکومت کچھ بھی کہیں، نہ تو پاکستان ایک اسلامی ملک ہے ،نہ ہی یہ کسی طرح "دارالاسلام" کہلا سکتا ہے، کیونکہ اس کا دستور ایک "کفری دستور" ہے۔ محض نماز، روزے اور جمعہ و عیدین کی ادائیگی سے کوئی خطہ دار الاسلام نہیں بن جاتا، وگرنہ تو عین اسی دلیل کی بناء پر یورپ اور امریکا کے بھی بہت سے علاقے

---

[1] العلمانية۔ص681.

[2] آل عمران:167.

[3] اعلام الأعلام بمفهوم الدين والاسلام أورفع الحجاب عن مضار الجمهورية والانتخاب،ص:333 تا 334.

دارالاسلام قرار پائیں گے۔(ایسی دلیلیں دینے والوں کے بارے میں قرآنی حکم یہ ہے کہ)"یہ اُس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں ہیں اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ اس سے خوب واقف ہے"۔

ایک اور جگہ پاکستانی عدالتوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

"وأسوأ من ذلك كله وأسخطه عند الله عزوجل وعند المؤمنين حكمهم وقضائهم فی جمع المحاكم ومن جميع قضاتهم بالقوانين الوضعية الكفرية ،وأقضاهم عندهم من كان متخصصاً فی تلك القوانين،فيكون هو قاضي القضاة عند الحكومة، وأما وكلائهم ﴿فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ﴾(البقرة:٩٧)يستدلون بدعاويهم ومسائلهم بحكم جزئيات حدثت فی أي قطر العالم الكفري وقضى به قاض ،سواء كان ضد الحكم الشرعي ومقابلاً له أم غير ذلك، وينقاد لدليلة القاضي ويحكم به كأنه حكم سماوي أوحى اليه فی الوقت الراهن فنسخ ماكان قبله۔فنعوذ بالله سبحانه من الكفر بعد الاسلام ﴿وَكَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيۡكُمۡ رَسُوۡلُهٗ﴾"۔[1]

"پھر ان سب سے بدتر اور ان سب سے بڑھ کر اللہ عزوجل کو ناراض کرنے والا اور اہل ایمان کو دکھ دینے والا جرم یہ ہے کہ ان تمام عدالتوں کے تمام جج اپنے تمام تر فیصلے" انسانوں کے وضع کردہ کفریہ قوانین" کے مطابق کرتے ہیں۔ان میں سے جو شخص اس کفری قانون میں جتنی مہارت رکھتا ہو،اسے یہ اتنا ہی بڑا جج سمجھتے ہیں اور ایسے ہی فرد کو

[1] اعلام الأعلام بمفهوم الدين والاسلام أو رفع الحجاب عن مضار الجمهورية والانتخاب،ص:118-123.

اپنا"چیف جسٹس"بناتے ہیں اور جہاں تک ان کے وکلا کا تعلق ہے تو(باالفاظ قرآنی)(بربادی ہے ان کے لئے کیونکہ یہ اپنے ہاتھ سے (وضعی قوانین)لکھتے ہیں اور بربادی ہے ان کے لئے اس کمائی کے سبب جو یہ کماتے ہیں)(البقرۃ:۷۹) یہ وکلا قانونی مسائل اور عدالتی جھگڑوں میں "عالم کفر" کے کسی کونے میں پیش آنے والے کسی معاملے میں وہاں کے کافر جج کا کوئی فیصلہ ڈھونڈ کر اسے بطور نظیر پیش کرتے ہیں؛خواہ وہ فیصلہ شریعت سے متصادم و مخالف ہو یا اس کے موافق۔یہی نہیں،بلکہ جج بھی ایسی دلیل پیش کر دیئے جانے پر اس کے سامنے سر جھکا دیتا ہے اور اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے،گویا وہ آسمان سے وحی کردہ کوئی حکم ہو جس کے اتر آنے سے تمام سابقہ احکامات منسوخ ٹھہرے۔پس ہم اسلام لانے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹنے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں(اور تم کیسے کفر کروگے جب کہ تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی اور تم میں اُس کے پیغمبر(کی تعلیمات)موجود ہیں)(آل عمران:۱۰۱)"۔

علامہ احمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ان الأمر فی هذه القوانين الوضعية واضح وضوح الشمس،هي كُفرٌبواح،لاخفاء فيه ولامداورة،ولاعذر لأحد ممن ينتسب لاسلام۔كائناً من كان۔فی العمل بها،أو الخضوع لها أو اقرارها ،فليحذر امرؤ لنفسه، وكل امرئٍ حسيبُ نفسه، ألا فليصدع العلماء بالحق غير هيابين وليبلغوا ماأمروا بتبليغه غير موانين ولا مقصرين''۔[1]

"یقیناً ان "وضعی قوانین"(خود ساختہ قوانین) کا معاملہ اظہر من الشمس ہے۔ان قوانین کا کفریہ ہونا اتنا واضح اور بیّن امر ہے جس میں کسی شک وتردد کی کوئی گنجائش نہیں۔پس اپنے

[1] عمدة التفسير،ج:4ص:174.

آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرنے والے کسی بھی شخص کے لئے. خواہ وہ کوئی بھی ہو. ان قوانین پر عمل کرنے ،ان کے سامنے سرِ "تسلیم" خم کرنے یا انہیں (نافذ العمل) ماننے کا کوئی جواز نہیں۔ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اس فتنے سے بچنے کی فکر کرے اور ہر شخص خود ہی اپنا محاسبہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ بالخصوص علمائے حق کی یہ ذمہ داری ہے کہ آج وہ ہر خوف اور خطرے سے بے پرواہ ہو کر حق بات اعلانیہ کہہ ڈالیں اور کسی تاخیر و تقصیر کے بغیر اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچائیں"۔

شیخ عمر اشقر فرماتے ہیں:

"کسی قاضی یا حکمرانِ وقت کا کوئی ایسا وقتی فیصلہ جو اس نے اپنی خواہش یا ضرورت سے مغلوب ہو کر کیا ہو جبکہ بقیہ تمام فیصلوں میں وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کا پابند ہو، اس سے آدمی اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ ان کے برعکس وہ لوگ جو مکمل طور پر کفار کے قوانین لاکر اسلامی ممالک میں نافذ کرتے ہیں یا کر چکے ہیں اور مسلم عوام کو مجبور کرتے ہیں کہ ان قوانین کو ہی "تسلیم" کریں، اور جو ان کی اس بات سے انکار کرتا ہے اُسے ہر قسم کی سزا دینے پر بھی یہ حکمران ہر وقت آمادہ نظر آتے ہیں۔ جو انہیں اسلام کے نفاذ کی دعوت دیتے ہیں، انہیں بھی بدترین سزائیں دیتے ہیں، ایسے حکمرانوں کا اسلام سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے"۔[1]

سعودی عرب کے سابق مفتی عام اور کبار علماء میں سے ایک شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین کو جو کہ دراصل شیطان کے نازل کردہ ہیں، محمد ﷺ پر نازل شدہ قوانین پر ترجیح دینا یا اس کے ہم پلہ سمجھنا واضح، صریح اور بڑا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ

[1] بحوالہ العقیدۃ فی اللہ ص28،29.

نے محمد ﷺ پر قوانین نازل ہی اس لئے کئے تھے کہ سارے جہاں میں انہیں نافذ کر دیں، تمام متنازعہ اُمور کے فیصلے اس دین کے ذریعہ سے ہوں جیسا کہ ارشاد ہے:﴿ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَالِكَ خَيْرٌ وَّ أَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴾(سورۃ النساء آیت:۵۸)"اگر کسی معاملہ میں تمہارا آپس میں تنازعہ و اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ و رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو اگر اللہ و آخرت پر تمہارا ایمان ہو؟ یہی طریقہ بہتر ہے اور انجام کار کے لحاظ سے بھی اچھا ہے"۔ [1]

داعیٔ ختم نبوت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"خلافت میں حکمران کے لئے بالاتر قانون "قرآن و سنت" ہے، اور اگر مسلمانوں کا اپنے حکام کے ساتھ نزاع ہو جائے تو اس کو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹایا جائے گا اور کتاب و سنت کی روشنی میں اس کا فیصلہ کیا جائے گا، جس کی پابندی راعی و رعایا دونوں پر لازم ہو گی۔ جبکہ جمہوریت کا فتویٰ یہ ہے کہ مملکت کا "آئین" سب سے مقدس دستاویز ہے اور تمام نزاعی امور میں "آئین و دستور" کی طرف رجوع لازم ہے، حتیٰ کہ عدالتیں بھی آئین کے خلاف فیصلہ صادر نہیں کر سکتیں۔ لیکن (حال یہ ہے کہ) ملک کا دستور اپنے تمام تر تقدس کے باوجود عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ کا کھلونا ہے۔ وہ مطلوبہ اکثریت کے بل بوتے پر اس میں جو چاہیں ترمیم و تنسیخ کرتے پھریں، کوئی ان کو روکنے والا نہیں اور مملکت کے شہریوں کے لئے جو قانون چاہیں بنا ڈالیں، کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں"۔ [2]

شیخ عبد اللہ عزام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] رسالۃ تحکیم القوانین۔

[2] آپ کے مسائل اور ان کا حل، جلد 8، ص:176۔

''جس نے بھی اللہ کی شریعت سے اپنے فیصلے کرانا چھوڑ دیا، یا کسی بھی قانون کو اللہ کی شریعت پر ترجیح دیدی یا اللہ کی شریعت کے ساتھ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کو ملا دیا، برابر کر دیا تو وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا۔ اس نے دین کا طوق اپنے گلے سے اتار دیا اور اپنے لئے یہ راستہ چن لیا کہ وہ کافر ہو کر اسلام سے خارج ہو جائے''۔[1]

فساد فی الارض سے مراد:

جب زمین پر اللہ کے قانون کے بجائے ''خود ساختہ کفریہ قوانین'' چل رہے ہوں تو قرآن ان حالات کو ''فساد'' سے تعبیر کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نزدیک انسانی جان کی کوئی حرمت نہیں رہتی یعنی اللہ کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ لوگوں کی اکثریت کس وادی میں ہلاک ہو رہی ہے: ﴿كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾[2]

''لکھ دیا تھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو شخص کسی کو قتل کر دے، بجز اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین حالتِ فساد میں ہو، تو گویا اس نے تمام انسانیت کو قتل کر ڈالا''۔

غور کیا جائے تو درج بالا آیت میں مذکورہ قتل حق کے علاوہ صرف ایک حالت ایسی ہے کہ جب اللہ کے نزدیک انسانی جان کی کوئی حرمت نہیں رہتی، وہ ہے ''فساد فی الارض'' اور اس کا سب سے بڑا مظہر شریعت اسلامی کا (یعنی حدودِ شریعت کا) زمین پر مکمل نفاذ نہ ہونا ہے۔ یہی وہ وجہ ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کر دیا تھا کہ جب زمین پر اللہ کی حدود نافذ کرنے والوں کے بجائے کفر کے

---

[1] العقیدہ وأثرها في بناء الجيل للشيخ عبداللہ عزام ص 116.

[2] المائدۃ: 32.

اماموں اور گمراہیوں کے سرداروں کا قانون چل رہا ہو تو زمین پر انسانی خون ارزاں ہو جاتا ہے اور انسانی جان کی اللہ کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں رہتی:

((انی لاخاف علیٰ امتی الا الائمة المضلین واذا وضع السیف فی امتی لایرفع عنهم الی یوم القیمة))[1]

''میں اپنی امت کے بارے گمراہ کرنے والے حکمرانوں(کے غلبے)سے بہت ڈرتا ہوں، چناچہ جب میری امت میں(ان کے فساد کی وجہ سے) تلوار نکل آئی تو(سمجھ لو وہ) قیامت تک میان میں نہیں جائے گی''۔

یعنی جب کفر کے اماموں اور گمراہوں کے سرداروں کا غلبہ ہو جائے تو پھر اس وقت تک تلوار میان میں نہیں جائے گی جب تک کہ ان کا غلبہ ختم نہ ہو جائے۔ پس ثابت ہوا کہ عصر حاضر کے کفریہ و شرکیہ آئین و دستور جو کہ بلاد اسلامیہ پر بلا دغدغہ جاری و ساری ہیں اور علمائے وقت ان کو ''تسلیم ''کرتے ہوئے ان کو ''نافذ العمل'' سمجھ رہے دراصل دور جاہلیت کے قوانین کی مثل ہیں اور یہی ''فساد فی الارض'' کی سب سے بڑی صورت ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت جاہلیت کے قوانین کو مٹانے کے لئے ہوئی تھی، نہ کہ اُن کو تسلیم کرنے کے لئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من سمعتموه یتعزّٰی بعزاء الجاهلیة فاعضوه هن ابیه ولاتکنوا))[2]

''جس شخص کے متعلق تم سنو کہ اس نے جاہلیت کا جھنڈا بلند کیا ہے تو اُسے جڑ سے اکھاڑ پھینکو کہ وہ پھلنے پھولنے نہ پائے''۔

---

[1] مسند احمد۔ مجمع الزوائد: ج7ص452، رقم الحدیث 11965 واسناده صحیح.

[2] السنن الکبری للنسائی، ج:6، ص:242، رقم:10811.

کیااس کے بعد بھی طواغیت کے وضع کردہ آئین و دستور کو "تسلیم" کرنے اور اس کے قوانین کو "نافذ العمل" سمجھنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے.........؟؟

سب سے بڑا "فساد" زمین پر غیر الٰہی قوانین کا نفاذ ہے:

حاکم وقت کی طرف سے کفر بواح اور صریح ارتداد کی صورت میں اس خدشے کے پیش نظر مسلح خروج نہ کرنا کہ اس صورت میں فتنۂ وفساد برپا ہو گا یا پھر خانہ جنگی کی صورت میں کفار بلاد اسلامیہ پر حملہ آور ہو جائیں گے، دراصل ایک خام خیالی ہے۔ کیونکہ صورت مسئولہ میں دو ہی صورتیں شرعی طور پر ممکن ہیں:

❶ قدرت ہونے پر مسلح خروج یا عدم قدرت پر مسلح خروج کی تیاری

(کیونکہ اصول یہ ہے کہ "مَالَا يَتِمُّ الْوَاجِبُ اِلَّا بِهٖ فَهُوَ وَاجِبٌ" "جس معاون چیز کے ساتھ کسی واجب کی ادائیگی ہوتی ہے وہ کام بھی واجب ہے"۔[1]

❷ عدم قدرت پر ہجرت

اس کے علاوہ کوئی تیسری شرعی صورت ممکن نہیں۔ چنانچہ حاکم کے کفر وارتداد کو "تسلیم" کرتے ہوئے اس کے احکامات کو "نافذ العمل" سمجھنا ہی دراصل "فسادِ عظیم" ہے اور کفار کے تسلط کو عذاب الٰہی کی صورت میں دعوت دینے کے مترادف ہے۔ سیدنا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] مجموع الفتاویٰ: 259/28.

((کیف انتم اذا وقعت فیکم وأعوذ ان تکون فیکم أو تدر کوھن.........وما حکم أمرائھم بغیر ماانزل اللہالا سلط علیھم عدوھم فاستقذوا بعض مافی ایدیھم، وما عطلواکتاب اللہ وسنة الا جعل بأسھم بینھم))[1]

"اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب پانچ چیزیں تم میں وقوع پذیر ہوں گی اور میں اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ یہ تم میں پائی جائیں یا تم انہیں لوگوں میں پاؤ.........(ان میں چوتھی یہ ہے کہ) کسی قوم کے حکمران اللہ کی نازل کردہ شریعت سے اعراض کرتے ہوئے دیگر قوانین کو حاکم بناتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے اور وہ دشمن ان کی ملکیت سے موجود بعض (قیمتی) چیزیں ان سے چھین لیتا ہے اور (پانچویں یہ کہ) جب بھی کوئی قوم اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کو معطل کر دیتی ہے تو اللہ اس کے درمیان پھوٹ ڈال دیتا ہے"۔

((ماحکموا بغیر ماانزل اللہ الافشا فیھم الموت))[2]

"کوئی قوم فیصلے نہیں کرتی اللہ کے نازل کردہ (شریعت کے) برخلاف مگر یہ کہ اس میں موت پھیل جاتی ہے"۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((ماحکموا بغیر ماانزل اللہ الافشا فیھم الفقر))[1]

---

[1] شعب الایمان للبیھقی،ج:7،ص:315، رقم:3164۔کنز العمال،ج:16،ص:81.

[2] مجمع الزوائد،ج:3،ص:65.

''کوئی قوم فیصلے نہیں کرتی اللہ کے نازل کردہ (شریعت کے) برخلاف مگر یہ کہ اس میں محتاجگی پھیل جاتی ہے''۔

عصر حاضر کے طواغیت کا یہود و نصاریٰ کا ساتھ دینا:

مفتیؔ صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''اس واقعے سے علماء کرام نے یہ استدلال فرمایا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ ''مشترک دفاع'' کا معاہدہ کرنا جائز ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اُس ''موالاۃ'' میں داخل نہیں ہے جس سے قرآن کریم نے منع کیا ہے''۔[2]

مفتیؔ صاحب نے اپنی پوری کتاب میں کفار سے معاہدات، ان کے حقوق، ان سے حسن سلوک، ان کے ساتھ ہمدردی و غمخواری اور ان کے ساتھ کئے جانے والے معاہدات کی پابندی کو تو خوب بیان کیا۔ لیکن ''عقیدہ الولاء والبراء'' کے ضمن میں موالات کی ان صورتوں کا سرسری ذکر کرنا بھی گوارا نہ کیا جو کہ ایک مسلمان کے عقیدے کی سلامتی سے تعلق رکھتی ہیں اور جس کا مرتکب ارکان اسلام کی ادائیگی و دیگر احکامات اسلامی کی پابندی کے باوجود اپنے دین و ایمان ہاتھ سے دھو بیٹھتا ہے اور اس کی ان افعال کے ساتھ کلمہ کی ادائیگی اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی۔

چنانچہ اس مبہم کلام کی وجہ سے لوگ ''دہشت گردی'' کے نام پر برپا کی جانے والی عصر حاضر کی ''صلیبی جنگ''، میں صلیبی اتحاد کے ساتھ ''فرنٹ لائن اسٹیٹ'' کا کردار کرنے کے لئے جو معاہدات بلاد اسلامیہ پر مسلط طواغیت کی جانب سے کئے گئے تھے، ان کو بھی ان معاہدات میں شامل کر دیتے ہیں

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی، ج:9، ص:257، رقم:10830۔ کنز العمال، ج:16، ص:79، رقم:44006.

[2] اسلام اور سیاسی نظریات، ص:345۔ طبع جدید نومبر 2010ء۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی.

جس کی پابندی ہر ایک لازم ہوتی ہے اور پھر تقیہ کی اصطلاح کی آڑ لیتے ہوئے ''مجبوری'' اور ''اکراہ'' کے بہانہ تراش کر یہود و نصاریٰ کی طرف سے مسلمانوں کے علاقوں پر چڑھائی اور ان کے قتل عام میں مکمل معاونت جیسے ''کفر اکبر'' کو بھی ''معاہدات'' کے نام پر جائز قرار دے دیتے ہیں۔

جس طرح یہ بات جاننا ضروری ہے کہ وضو اور نماز کے نواقض کیا ہیں اس سے بڑھ کر یہ جاننا ضروری ہے کہ عقائد کے وہ کون سے نواقض ہیں جن کی وجہ ایک شخص کا کلمہ ٹوٹ جاتا ہے۔ سلف وصالحین اور فقہاء کرام کے ہاں دس (۱۰) مشہور بنیادی ''نواقض اسلام'' معروف ہیں۔ یہ نواقض فقہاء وعلماء کی از خود اختراع نہیں بلکہ قرآن وسنت سے ثابت نصوص سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

چنانچہ 'نواقض اسلام''میں آٹھواں یہ ہے کہ:

''آٹھویں بات جس سے آدمی کافر ہو جاتا ہے وہ ہے مشرکوں کی نصرت اور پشت پناہی یا مسلمانوں کے خلاف اُن کا معاون یا حلیف بننا''۔

چناچہ ہم مختصراً کچھ آیات قرآنی اور ان پر مفسرین کے کلام کو نقل کرتے ہیں جن میں اس موالات کا ذکر ہے جو کہ ''عقیدہ الولاء والبراء'' سے تعلق رکھتی ہیں:

☆﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾[1]

''اے اہل ایمان !یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے گا وہ بے شک انہی میں سے ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہرگز ہدایت عطا نہیں فرماتا''۔

---

[1] سورۃالمائدۃ:51.

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :

''ہمارے نزدیک یوں کہنا زیادہ مناسب اور درست ہے کہ اللہ رب العزت نے تمام مسلمانوں کو منع کیا ہے۔ اس بات سے کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا حمایتی، مددگار اور حلیف بنائیں، ان مومنوں کے خلاف جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے آخری رسول جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے بھی خبردار کیا ہے کہ جو مسلمان اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا حمایتی، مددگار اور دوست بنائے گا تو اس کے نتیجے میں وہ ان یہودی اور عیسائی کافروں کی جماعت کا ہی فرد گردانا جائے گا۔ گویا یہ شخص اللہ رب العالمین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کے مدمقابل کافروں کی جماعت کا ایک رکن ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کلیتاً بیزار اور لاتعلق ہوں گے۔''[1]

مشہور مفسر قرآن امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ المائدۃ کی آیت: ۵۱ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ﴾ کا مطلب ہے کہ ''يُعَضِّدُهُمْ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ'' یعنی جو شخص بھی مسلمانوں کے خلاف کافروں کو قوت، طاقت اور ہر طرح کی (لاجسٹک) مدد فراہم کرتا ہے تو ﴿فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ وہ انہی میں سے شمار کیا جائے گا۔ گویا اللہ رب العزت نے بڑی وضاحت سے فرما دیا ہے کہ اس کے ساتھ وہی رویہ برتا جائے گا جو ان یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ برتا جائے گا۔ وہ شخص کسی مسلمان کے مال میں وراثت کا حقدار بھی نہیں ٹھہرے گا نہ اس کے مرنے کے بعد اس کا مال مسلمان وارثوں میں تقسیم

[1] تفسیر الطبری: 6/277، 276.

ہو گا۔ اس لیے کہ وہ مرتد ہو چکا ہے، یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یہ حکم تا قیامِ قیامت جاری وساری ہے۔"[1]

☆﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○﴾[2]

"اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان سے زیادہ عزیز رکھیں۔ تم میں سے جو بھی ان سے محبت رکھے گا، تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں"۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"قرآن مجید کی مذکورہ آیت کے آخری حصہ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ کے بارے میں مفسر قرآن سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

((هُوَ مُشْرِكٌ مِثْلُهُمْ، لِأَنَّ مَنْ رَضِيَ بِالشِّرْكِ فَهُوَ مُشْرِكٌ))

"جو کسی کافر ومشرک سے دوستی کرے گا وہ ان کی طرح کا ہی مشرک ہو گا، اس لیے کہ جو شرک کو پسند کرتا ہے وہ بھی مشرک ہوتا ہے۔"[3]

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اسلام کا اصول ہے کہ ((الرِّضَاءُ بِالْكُفْرِ كُفْرٌ)) یعنی "کفر کو پسند کرنا بھی کفر ہے"۔[1]

---

[1] تفسیر القرطبی: 217/6.

[2] التوبة: 23.

[3] تفسیر القرطبی: 8/93-94، تفسیر فتح القدیر للشوکانی: 529/1، تفسیر أبی سعود: 246/2.

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من کثر سواد قوم فھومنھم ومن رضی عمل قوم کان شریك من عمل به))[2]

"جو شخص کسی گروہ (میں شامل ہو کر ان) کی تعداد بڑھائے وہ اُن ہی میں سے ہے اور جو کسی گروہ کے عمل پر راضی رہے وہ ان کے عمل میں شریک ہے"۔

فضیلۃ الشیخ سلیمان بن عبد اللہ (آل شیخ) رحمۃ اللہ علیہ سورۃ محمد کی آیت ۲۶ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

"مقام غور وفکر ہے کہ جب اللہ کی شریعت کو ناپسند کرنے والے کافروں سے بعض باتوں میں اطاعت گزاری کا یقین دلانے والوں کو اللہ رب العزت نے کافر کہا ہے، حالانکہ وہ ابھی صرف زبانی یقین دلا رہے ہیں عملاً کچھ نہیں کر رہے۔ تو جو لوگ اللہ کی نازل کردہ شریعت کو ناپسند کرنے والے مشرکوں سے مکمل طور پر موافقت کرتے ہیں، اطاعت گزاری کا یقین دلاتے ہیں اور عملاً کافروں کے حق میں کاروائیاں بھی کرتے ہیں تو کیا ان کے کافر ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی رہ جاتا ہے؟"[3]

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر القرطبی: 417،418/5.

[2] کنز العمال، ج:9، ص:22، رقم:24735۔ مسند ابی یعلٰی، نصب الرایہ: 346/4.

[3] الرسالۃ الحادیۃ عشرۃ من مجموعۃ التوحید: 347،346.

☆﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴾[1]

"مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ اللہ کی حمایت میں نہیں، مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو۔ اور اللہ تعالیٰ خود تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔

مذکورۃ الصدر آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس آیت کریمہ کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو منع کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ کافروں کو اپنا حمایتی اور مددگار نہ بناؤ۔ وہ اس طرح کہ ان کے دین و مذہب کی بنیاد پر ان سے دوستیاں رچانے لگ جاؤ، مسلمانوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کے خلاف کافروں کی مدد کرنے کے درپے ہو جاؤ اور کافروں کو مسلمانوں کے خفیہ راز اور معلومات فراہم کرنے لگ جاؤ۔ جو شخص ایسا رویہ اختیار کرے گا ﴿فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ﴾ یعنی اس طرح کرنے سے وہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ اس سے لاتعلق ہو جائے گا۔ اس وجہ سے کہ وہ اسلام سے مرتد ہو چکا ہے اور کفر میں داخل ہو چکا ہے۔"[2]

تقیہ سے مراد:

بعض نام نہاد دانشور مذکورہ بالا آیت میں مذکور الفاظ "الاان تتقوا" کی آڑ لیتے ہوئے حکمرانوں کے کے لئے یہ دلیلیں گھڑ کر دیتے ہیں کہ ہم تو مجبور ہیں اور یہ کہ ہم تو کافروں کے شر سے بچنے کے لئے

---

[1] آل عمران:28.

[2] تفسیر الطبری:313/6، تفسیر القرطبی :57/4.

اُن کا ساتھ دے رہے ہیں، اور پھر وہ کافروں کے ہم رکاب ہو کر اہل ایمان سے جنگ کرتے ہیں، اُن کا قتل عام کرتے ہیں اور اُن کافروں کے ساتھ ہر طرح کی مدد اور تعاون کرتے ہیں۔ ''تقیہ'' یہ مطلب ہر گز نہیں کہ اس کی آڑ میں کافروں سے محبت اور دوستی شروع کر دی جائے، یا تقیہ کی آڑ میں کافروں کے کفریہ اور باطل عقائد و نظریات کو اختیار کرنا شروع کر دیا جائے، یا تقیہ کی آڑ لیتے ہوئے کافروں کے پروگراموں، ایجنڈوں، اقدامات (Missions) کو ہی درست قرار دے دیا جائے اور نہ ہی تقیہ کا یہ مطلب ہے کہ کافروں کے اتحادی بن کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شمولیت اختیار کر لی جائے۔ جس شخص نے تقیہ کا یہ مطلب سمجھا ہے، دراصل اس نے دین اسلام میں ایسی بات سمجھی اور کہی ہے جس کا فتنہ و فساد کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ جان لیجئے کہ یہ نظریہ رکھنا قرآن و حدیث کے بالکل خلاف ہے چناچہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

((لَيۡسَ التَّقِيَّةُ بِالۡعَمَلِ اِنَّمَا التَّقِيَّةُ بِاللِّسَانِ))[1]

''(اگر کافروں کے شر کے خوف سے) بظاہر دوستی کا اظہار کرنا پڑ ہی جائے تو وہ صرف قول و گفتار کی حد تک ہو، کسی عمل و کردار سے نہ ہو۔''

اسی طرح عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس حوالے سے مزید قول ملتے ہیں:

((اِنَّمَا التَّقِيَّةُ بِاللِّسَانِ))[2]

''تقیہ (کافروں کے کے ساتھ بظاہر دوستی کا اظہار) صرف زبان کی حد تک جائز ہے۔ (نہ کہ عملی کاروائیوں سے)''۔

[1] تفسیر ابن کثیر: 357/1.

[2] تفسیر ابن کثیر: 357/1.

((هُوَ أَنْ يَّتَكَلَّمَ بِلِسَانِهِ وَ قَلْبُه، مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَ لَا يَقْتُلُ وَ لَا مَأْثَمًا)) [1]

"تقیہ اس کو کہتے ہیں کہ کوئی مسلمان شخص کفار کے شر سے بچنے کے لیے اپنی زبان سے کوئی ایسی بات کہہ دے جس سے بچاؤ ممکن ہو۔ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ تقیہ کرتے وقت نہ تو کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز ہے اور نہ ہی کسی گناہ کا ارتکاب کرنا جائز ہے۔"

عوف اعرابی رحمۃ اللہ علیہ جناب حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے تقیہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں:

"اَلتَّقِيَّةُ جَائِزٌ لِلْمُؤْمِنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِلَّا اَنَّهُ كَانَ لَا يُجْعَلُ فِي الْقَتْلِ تَقِيَّة" [2]

"تقیہ کرنے کی سہولت اور اجازت مومن کے لیے قیامت تک باقی ہے۔ مگر کسی خونِ ناحق میں تقیہ کرنا جائز نہیں ہے۔"

اہل ایمان کے مد مقابل کفار کی مدد و نصرت "بدترین کفر" ہے:

لہٰذا شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کوئی شخص کسی مسلمان کو "دین اسلام" پر چلنے کی بنیاد پر قتل کر دیتا ہے جیسا کہ عیسائی مسلمانوں سے ان کے دین اور تہذیب کی بنیاد پر ہی جنگ کرتے ہیں، تو ایسا شخص کہ جو محض دین اسلام کی بنیاد پر کسی مسلمان کو قتل کرے وہ "کافر" ہے۔ دین اور تہذیب کی بنیاد پر کسی مسلمان کو قتل کرنے والا کافر، اس کافر سے زیادہ خطرناک ہے جس کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا باہمی عہد وپیمان طے کیا گیا ہو۔ اس قسم کا کافر بالکل ان کافروں کی طرح ہی سمجھا جائے گا جو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنگ و قتال کیا کرتے تھے

[1] تفسیر القرطبی: 57/4.

[2] فتح الباری: 314/12 (کتاب الاکراہ، الحدیث: 6940.

۔اس قسم کے کفار ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے جس طرح دیگر کافروں کا یہی حکم ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے"۔[1]

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور فتوے میں فرماتے ہیں:

"قتل مسلم کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس فعل کو حلال سمجھے اور اس پر نادم اور متاسف نہ ہو، مثلاً کوئی مسلمان فوجی ہو اور وہ یہ سمجھے کہ لڑائی لڑنا ہی ہمارا کام ہے، مسلمان سامنے ہوں گے تو ان ہی سے لڑیں گے۔یعنی مسلمانوں پر تلوار اٹھانا کوئی گناہ کی بات نہیں۔یا یوں سمجھے کہ ہمارے مالکوں کا یہی حکم ہے، ہم نے ان کا نمک کھایا ہے اس لئے ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے ۔یعنی اگر کوئی اپنا نمک کھلا کر حکم دے کہ مسلمانوں کا قتل کردو (جیسا کہ فی زمانہ ہو رہا ہے) تو قتل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، تو اس صورت میں تمام امت کا اجماعی فیصلہ ہے کہ وہ شخص "قطعاً و حتماً کافر" ہے۔یعنی اس کفر کا مرتکب ہوا ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے ۔اس کا حکم شرعاً یہی ہو گا جو تمام کفار و مشرکین کا ہے ، دنیا میں بھی اور عاقبت میں بھی۔کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اس (شخص) کو مسلمان سمجھے اور اُس سلوک کا حقدار کہے جو مسلمانوں کو مسلمانوں کے ساتھ کرنا چاہیے۔

قتل مسلم کی تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی مسلمان کافروں کے ساتھ ہو کر ان کی فتح و نصرت کے لئے مسلمانوں سے لڑے یا لڑائی میں ان (کفار) کی اعانت کرے ، اور جب مسلمانوں اور غیر مسلموں میں جنگ ہو رہی ہو تو وہ غیر مسلموں کا ساتھ دے۔یہ صورت اس جرم کے کفر و عدوان کی انتہائی صورت ہے اور "ایمان کی موت" اور اسلام کے نابود ہونے کی ایک ایسی اشد حالت ہے جس سے زیادہ کفر و کافری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کے وہ سارے گناہ، ساری معصیتیں، ساری ناپاکیاں، ہر طرح و ہر قسم کی نافرمانیاں جو

---

[1] مجموع الفتاوی:136،137/34.

ایک مسلمان اس دنیا میں کر سکتا ہے یا ان کا وقوع دھیان میں آسکتا ہے، سب اس کے آگے ہیچ ہیں۔ جو مسلمان اس کا مرتکب ہو، وہ قطعاً کافر ہے اور "بدترین قسم کا کافر" ہے۔ اس کی حالت کو قتل مسلم کی پہلی صورت پر قیاس کرنا درست نہ ہو گا۔ اس نے صرف قتل مسلم ہی کا ارتکاب نہیں کیا، بلکہ اسلام کے خلاف دشمنان حق کی اعانت و نصرت کی ہے، اور یہ بالاتفاق بالاجماع کفر صریح اور قطعی مخرج من الملۃ ہے۔ جب شریعت ایسی حالت میں غیر مسلموں کے ساتھ کسی طرح کا علاقۂ محبت رکھنا بھی جائز نہیں رکھتی تو پھر صریح اعانت فی الحرب (جنگ میں مدد و نصرت) اور حمل السلاح علی المسلم (مسلمان پر ہتھیار اٹھانے) کے بعد کیونکر ایمان و اسلام باقی رہ سکتا ہے!"[1]

کیا آج بلادِ اسلامیہ پر حکومت کرنے والے طواغیت کی اکثریت کے اندر یہ "نواقض" بدرجۂ اتم نہیں پایا جاتا۔ مگر کیا کہیے! اُن علمائے وقت اور مفکرین و محققین کی عقل و فراست پر کہ جو ان طواغیت کو اب بھی مسلمان ثابت کرنے میں اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں بلکہ اُن پر "خلیفۃ المسلمین" کے احکامات لاگو کر کے ان کے احکام کو "تسلیم" کرانے پر بضد ہیں۔ حالانکہ یہ فعل اس لحاظ سے انتہائی خطرناک ہے کہ کوئی بھی شخص جس سے واضح طور پر اقوال وافعالِ کفر ظاہر ہوں، پھر بھی اس کے کفر میں شک کرنا اور اس کو مسلمان سمجھنا، انسان کو خود دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

ضروریات دین کے منکر کے کفر میں شک کرنا:

امام العصر حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

1 قتل مسلم، ص 501 تا 502 از کتاب معارف مدنی، افادات مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، جمع و ترتیب مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی.

جو شخص کسی قطعی اور یقینی کافر کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔"[1]

فقیہ العصر حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں:

وھل فی ضروریات دینٍ تاوُّل

بتحریفھا الا ککفر عیانٖ

ترجمہ: اور کیا ضروریاتِ دین میں ایسی تاویل جو تحریف کے مترادف ہو، کھلے ہوئے کفر کی مانند نہیں؟"

ومن لم یکفر منکریھا فانہ

یجُرُّ لھا الانکار یستویانٖ

ترجمہ: اور جو کوئی ضروریاتِ دین کے منکر کو کافر نہ کہے، وہ اس انکار کو خود اپنے سر لیتا ہے ،اور بغیر کسی فرق و امتیاز کے خود "کافر" ہو جاتا ہے۔[2]

ضروریات دین کے باب علمائے امت کی عظیم ذمہ داری:

جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے بانی مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کتاب "اکفار الملحدین" کے تعارف میں فرماتے ہیں:

---

[1] اکفار الملحدین ،ص283.

[2] اکفارالملحدین:ص307.

” قرآن کریم نے ان الفاظ: کفر، نفاق، الحاد، ارتداد ،کو انسانوں کے خاص خاص عقائد، اقوال، افعال واخلاق کے اعتبار سے افراد اور جماعتوں کے لئے استعمال فرمایاہے اور جب تک زمین پر قرآن کریم موجود رہے گا یہ الفاظ بھی، ان کے معنی اور مصداق بھی باقی رہیں گے۔ اب یہ علمائے امت کا فریضہ ہے کہ وہ امت کو بتلائیں کہ ان کا استعمال کہاں، یعنی کن کن لوگوں کے حق میں صحیح ہے، اور کہاں کہاں غلط ہے؟ یعنی یہ بتلائیں کہ جس طرح ایک شخص یا فرقہ ایمان کے مقررہ تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد مؤمن ہوتا اور مسلمان کہلاتا ہے ،اسی طرح ان کو نہ کرنے والا شخص یا فرقہ کافر اور اسلام سے خارج ہے ، نیز علمائے امت کا یہ بھی فریضہ ہے کہ وہ ان حدود تفصیلات کو یعنی ایمان کے مقتضیات (لازمی تقاضے) اور موجبات کفر (وہ اوامر جن سے کفر لازم آتا ہے)، کفریہ عقائد واقوال وافعال کی تحدید (حد بندی) اور تعین کریں تا کہ نہ کسی مومن کو کافر اور اسلام سے خارج کہا جاسکے اور نہ کسی کافر کو مؤمن اور مسلمان کہا جاسکے ،ورنہ ”ایمان و کفر“ کی حدود اس طرح مشخص و متعین نہ ہوئیں تو ایمان و کفر کا امتیاز مٹ جائے گا اور دین اسلام بازیچۂ اطفال بن جائے اور جنت و جہنم افسانے (بن جائیں گے)!!

اسی لئے علمائے امت پر کچھ بھی ہو اور کیسے ہی طعنے کیوں نہ دیئے جائیں ، رہتی دنیا تک یہ فریضہ عائد رہے گا کہ وہ خوف و خطر اور ”لومۃ لائم (ملامت کرنے والوں کی ملامت) کی پرواہ کئے بغیر جو شرعاً ”کافر“ ہے اس پر ”کفر“ کا حکم اور فتویٰ لگائیں اور اس میں پوری پوری دیانتداری اور علم و تحقیق سے کام لیں ،اور جو شرعاً ”ملحد“ و ”فاسق“ ہے اس پر ”الحاد“ و ”فسق“ کا حکم اور فتویٰ لگائیں ،اور جو بھی فرد یا فرقہ قرآن و حدیث کی نصوص کی رو سے ”اسلام“ سے خارج ہو اس پر اسلام سے خارج اور دین سے بے تعلق ہونے کا حکم اور فتویٰ

لگائیں اور کسی قیمت پر اس کو مسلمان تسلیم نہ کریں، جب تک سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع نہ ہو، یعنی قیامت تک"۔[1]

یہود ونصاریٰ کے وفادار طواغیت سے صرف نظر کرنے والوں سے سوال:

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ حکمرانوں کے یہود ونصاریٰ کے وفادار بننے اور مسلمانوں کے قتل عام میں ان کی معاونت کے باوجود ان کی حکمرانی کو جائز قرار دینے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

"ہم (کفر وارتداد کے مرتکب حکمران کے بارے میں) ان سے سوال کرتے ہیں کہ تم اس حکمران کے بارے میں کیا کہوگے جس نے اپنے اختیارات (یہود و) نصاریٰ کے حوالے کر دیئے ہیں۔ نصاریٰ ہی اس کے ساتھی اور فوج ہیں اور انہوں نے مسلمانوں پر جزیہ لگا دیا ہے، مسلمان بچوں پر تلواریں نکال لی ہیں، مسلم عورتوں سے زنا کو جائز کر دیا ہے۔ جو بھی مسلمان مرد، عورت اور بچہ انہیں نظر آتا ہے اس کو مارتے ہیں جبکہ یہ حکمران خاموش تماشائی ہے۔ اس کے باوجود وہ خود کو مسلمان کہتا ہے نماز پڑھتا ہے۔ اگر یہ کہتے ہیں کہ اس حکمران کے خلاف خروج پھر بھی جائز نہیں ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ اس طرح تو یہ (حاکم) تمام مسلمانوں کو ختم کر دے گا اور اکیلا ہی رہ جائے گا اور اس کے ساتھی کافر رہ جائیں گے؟ (پھر بھی) اگر یہ لوگ اس صورت میں بھی صبر کو جائز کہتے ہیں تو یہ اسلام کی مخالفت کرتے ہیں اور اس سے خارج ہو جاتے ہیں"۔[2]

---

[1] اکفار الملحدین، ص:44۔ اردو ایڈیشن.

[2] الملل والاهواء والنحل لابن حزم :132/4-135.

ایسے حاکم کے بارے میں ”حکم شرعی“کوواضح کرتے ہوئے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ”الاِخْتِيَارَاتُ الفِقهِيَّة “میں فرماتے ہیں:

”من جَمَّزَ إلى مُعَسكَرِ التُّتَرِ وَ لَحِقَ بِهِمْ ارْتَدَّ وَ حَلَّ دَمُهُ وَ مَالُهُ ، فَإذَا كَانَ هَذَا فِي مُجَرَّدِ اللُّحُوْقِ بِالْمُشْرِكِيْنَ فَكَيْفَ بِمَنْ اعْتَقَدَ مَعَ ذَالِكَ أَنَّ جِهَادَهُمْ وَ قِتَالَهُمْ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ دِيْنٌ يُدَانُ بِهِ ، هَذَا أَوْلى بِالْكُفْرِ وَالرِّدَّةِ۔“

”جو شخص تاتاریوں کے معسکر (چھاؤنی) کی طرف بھاگا بھاگا جاتا ہے اور ان سے جاملتا ہے ،وہ شخص مرتد ہوجاتا ہے اور اس کا خون بہانا اور اس کا مال اپنے قبضہ میں لینا جائز ہے ۔مشرکین کے ساتھ صرف جاملنے کا یہ حکم ہے کہ وہ مرتد ہوجاتا ہے اور اس کو قتل کرنا اور اس کا مال قبضہ میں لینا جائز ہے۔تو اس شخص کے متعلق خود غور فرمالیں کہ جو اس بات کا اعتقاد اور نظریہ رکھتاہے کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ وقتال کرنامیرے دین ومذہب میں شامل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ثانی الذکر شخص کفر وارتداد میں کہیں زیادہ آگے بڑھا ہوا ہے“۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تاتاری کافروں کے ساتھ محض جاملنا دین سے مرتد ہوجانا ہے۔حالانکہ تاتاری اسلام کا اظہار کرتے تھے اور وہ اپنے باہمی اختلافات اور تنازعات کا فیصلہ اسلامی قانون کے بغیر کرتے تھے۔تو جو شخص کافروں کے ساتھ جاملنے کے علاوہ یہ جرم بھی کرے کہ وہ کافروں کے ہمرکاب ہوکرمسلمانوں کے خلاف جنگ میں شامل ہوجائے اور جنگ بھی محض دین ومذہب اور اعتقادی و نظریاتی بنیاد پر ہوتو اس شخص کے بارے میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ شخص واقعتاکافر اور مرتدہے۔امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقتباس سے ان لوگوں کی بھی تردید ہوجاتی ہے جو ان جیسے لوگوں کے بارے میں توقف اور خاموشی اختیار کرتے ہیں اور ان جیسے لوگوں کے بارے میں مسلمان ہونے کافتوٰی صادر کرتے ہیں۔

شیخ سلیمان بن سمحان رحمۃ اللہ علیہ کافروں سے دشمنی اور مومنوں سے محبت کے عقیدہ کو اپنے شاعرانہ انداز میں یوں واضح کرتے ہیں:

وَ مَنْ یَّتَوَلَّ الْکَافِرِیْنَ فَمِثْلُھُمْ   وَ لَا شَکَّ فِیْ تَکْفِیْرِہٖ عِنْدَ مَنْ عَقَلَ

"جو کافروں سے دوستی رچاتا ہے وہ انہی کی طرح ہوتا ہے۔ عقل و دانش والے کسی شخص کے ہاں اس کے "کافر" ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے"۔

وَ مَنْ یُّوَالِیْھِمْ وَ یَرْکُنْ نَحْوَھُمْ   فَلَاشَکَّ فِیْ تَفْسِیْقِہٖ وَ ھُوَ فِیْ وَجَل

"جو شخص کافروں سے (زبانی طور پر) دوستی قائم کرتا ہے اور ان کی طرف مائل ہوتا ہے اس حالت میں کہ اس کے دل میں خوف وہراس تھا تو اس کے فاسق وفاجر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے"۔

وَ کُلُّ مُحِبٍّ أَوْ مُعِیْنٍ وَ نَاصِرِ   وَ یُظْھِرُ جَھْرًا لِلْوَفَاقِ عَنِ الْعَمَلِ

"ہر وہ شخص جو کسی کافر سے محبت کرنے والا ہو، اس سے تعاون کرنے والا ہو اور اس کی مدد وحمایت کرنے والا ہو، وہ چاہے ظاہری طور پر ہی اپنے عمل و کردار سے کافروں کے ساتھ یکجہتی، ہم آہنگی اور موافقت کا اظہار کرنے والا ہو"۔

فَھُمْ مِثْلُھُمْ فِی الْکُفْرِ مِنْ غَیْرِ رِیْبَۃٍ   وَاِذَا قَوْلُ مَن یَدْرِ الصَّوَابَ مِنَ الزُّلَلِ

"بغیر کسی شک وشبہ کے وہ شخص بھی کافروں کی طرح کا کافر ہے۔ یہ بات وہ شخص کہہ رہا ہے جو صحیح اور غلط، حق اور باطل میں فرق سے اچھی طرح آگاہ وآشناہ ہے"۔

عالمگیر طاغوتی نظام کے زیر سایہ دین جمہوریت کے ماتحت حکومتوں کا حکم:

عصر حاضر میں عالمگیر طاغوتی نظام کے زیر تحت جو سیاسی نظام قائم ہے اور جس کو اس نظام کے رکھوالے طوعاً و کرھاً نافذ کرتے ہیں اس کو ہم "دین جمہوریت" کہہ سکتے ہیں، جو کہ کھڑا ہی اُن بنیادوں پر کیا جاتا ہے جس کے کفر و شرک ہونے میں کسی راسخون فی العلم کو کوئی شک اور شبہ نہیں۔

ہر چند کہ مفتی صاحب بھی بظاہر جمہوریت کے شدید مخالفین میں سے نظر آتے ہیں مگر محسوس ایسا ہوتا ہے کہ مفتی صاحب "دین جمہوریت" اور "دین اسلام" کے اصول سیاست کے درمیان فرق کو سمجھنے سے قاصر ہیں کیونکہ ایک طرف وہ اپنی کتاب میں "امیر کا انتخاب اور تقرر" کے باب میں امیر کے اسلامی طریقۂ تقرر کو جمہوری طریقوں سے ممتاز کر کے بیان کر رہے ہیں لیکن ساتھ ان جمہوری طریقوں مختلف حیلے بہانوں سے جائز ہونے کے فتوے بھی جاری فرمارہے ہیں۔ اس سلسلے ہم چند تضادات یہاں درج کر دیتے ہیں۔ خلیفہ کے تقرر "شوریٰ" کے ذریعے کرنے کو لازم قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"اسلام کا حکم یہ ہے کہ امیر یا خلیفہ کا تقرر شوریٰ کے ذریعے ہونا چاہیے"۔

پھر شوریٰ کے ضروری ہونے کے سارے دلائل ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ:

"یہ سب دلائل اس بات کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں کہ خلیفہ کے تقرر کے لئے شوریٰ ضروری ہے"۔

پھر "شوریٰ" کا مطلب علمائے کرام کی تعریف روشنی میں یوں بیان کرتے ہیں:

''ہمارے علمائے کرام نے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ شوریٰ کا مطلب یہ نہیں کہ ہر بالغ آدمی خواہ وہ کیسی بھی اہلیت رکھتا ہو، وہ امیر کا انتخاب کرے۔ بلکہ شوریٰ کا مطلب یہ ہے کہ'' اہل حل و عقد'' اس کے حق میں رائے دیں۔ یہ اسلامی سیاست کی ایک اصطلاح ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خلیفہ کا انتخاب اہل حل و عقد کریں گے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے دور میں خلافت کے جو انتخاب ہوئے، وہ صرف اہل حل و عقد کے مشورے سے ہوئے''۔

پھر چاروں خلفاء راشدین کے طریقۂ انتخاب کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ:

''اس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عام آدمیوں کی رائے کو معتبر نہیں مانا اور فرمایا کہ اہل شوریٰ اور اہل بدر کو جمع کرو۔ اس کی بنیاد پر ''علمائے سیاست شرعیہ'' یہ بات کہتے ہیں کہ خلیفہ کا انتخاب اہل حل و عقد کے سپرد ہے اور وہی انتخاب کریں گے''۔

پھر ''اہل حل و عقد'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اہل حل و عقد سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو عوام صائب الرائے اور اپنا رہنما سمجھتے ہوں۔ اُس زمانے میں جن کو اہل حل و عقد سمجھا جاتا تھا، ان میں مختلف قبائل کے سردار بھی تھے، علماء بھی تھے، فقہاء بھی تھے، مختلف حلقوں کے سربراہ بھی تھے''۔[1]

لیکن ان تمام اسلامی اصول و مبادی بیان کے کرنے کے باوجود ان معاملات مین جمہوری طریقوں کے اختیار کرنے میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے اور ان کو جائز قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ خلیفہ کے انتخاب میں شوریٰ کا مطلب بیان کرتے ہوئے اس خلجان میں مبتلا نظر آتے ہیں کہ:

---

[1] اسلام اور سیاسی نظریات، ص:225تا 223۔ طبع جدید نومبر 2010ء۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی.

"اب شوریٰ کا مطلب کیا ہے؟ آیا بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ووٹنگ یا کسی مخصوص جماعت یا حلقے کی طرف سے ووٹنگ؟ اس کے لئے قرآن و سنت نے کوئی خاص طریقہ معین کرنے کے بجائے اس کی تفصیلات کو ہر زمانے کے مسلمانوں پر چھوڑ دیا ہے"۔[1]

پھر دور حاضر میں خلیفہ کے تقرر کے لئے شوریٰ میں شامل اہل حل و عقد کا انتخاب میں ان کو جمہوری طریقہ انتخاب یعنی بالغ رائے دہی کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی نظر نہیں آتا ہے:

"لیکن موجودہ دور میں وہ صورت حال باقی نہیں رہی۔ اس لئے ایسے لوگوں کے تعین کے لئے باقاعدہ انتخاب کی ضرورت ہوگی۔ یہ انتخاب بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہو، یا ان کے انتخاب کے لئے بھی کوئی انتخابی ادارہ (Electoral College) ہونا چاہیے، اس بارے میں شریعت کا کوئی لگا بندھا دائمی حکم نہیں دیا۔ اگر ملک میں "تعلیم" اور "سیاسی شعور" کا معیار بلند ہے تو بالغ رائے دہی کی بنیاد پر بھی ان کا انتخاب ہو سکتا ہے، اور اگر عوام کے حالات کے لحاظ سے یہ مناسب سمجھا جائے کہ انتخابات درجہ بدرجہ ہوں تو بظاہر شریعت کے لحاظ سے اس کی بھی کوئی ممانعت نہیں ہے"۔[2]

درج بالا حوالہ میں مفتی صاحب کے نزدیک "تعلیم" اور "سیاسی شعور" سے کیا مراد ہے، اس کو بیان نہیں کیا۔ اگر اس سے مراد موجودہ دور میں رائج تعلیم اور سیاسی شعور مراد ہے تو پھر ملت اسلامیہ کا اللہ ہی حافظ ہے۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ امام یا خلیفہ کے انتخاب میں بھی خالص جمہوری طریقہ کار کو اختیار کرنے میں بھی مفتی صاحب کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے:

[1] اسلام اور سیاسی نظریات، ص:230۔ طبع جدید نومبر 2010ء۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی.

[2] اسلام اور سیاسی نظریات، ص:267۔ طبع جدید نومبر 2010ء۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی.

"نیز بظاہر شریعت میں اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ خود امام کا انتخاب بھی براہ راست یعنی بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہو، کیونکہ اس کے خلاف بھی کوئی نص نہیں"۔[1]

ان تمام حوالہ جات پڑھ کر یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مفتیؒ صاحب کس قدر اس معاملے میں تضادات کا شکار ہیں، کہ ایک طرف وہ خود خلیفہ کے انتخاب میں اسلام کے اصول ومبادی کو اپنے فہم کی بنیاد پر واضح کررہے ہیں لیکن ساتھ ساتھ ان جمہوری اصولوں کے بھی حامی ہیں جو کہ ان اسلامی اصول و مبادی کی صریح خلاف ہیں جن کو مفتیؒ صاحب نے بیان کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسا طرز عمل وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جو کہ جمہوریت کو "مشرف بہ اسلام" کرنا چاہتے ہیں یا پھر وہ "اسلامی جمہوریت" جیسی مردود اور مفسد اصطلاحات کے قائل ہیں اور اسلام کے سیاسی نظام کو کسی بھی طرح جمہوریت کے سانچے میں ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس حوالے سے ہم عصر حاضر کے چند چوٹی کے علماء کا موقف بھی پیش کردیتے ہیں جس سے اندازہ ہوجائے کہ "بالغ رائے دہی" سمیت جتنی بھی جمہوری اصطلاحیں ہیں ان کی اسلامی نظام سیاست میں کسی بھی صورت کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی ہمیں شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے اور نہ ہی اس کے ہم مکلف ہیں کہ ہم کسی دوسرے سیاسی نظام کو اسلامی لبادہ اڑھانے کے لئے اس کا تقابل اسلامی نظام سیاست سے کریں۔

مشہور سلفی عالم دین مولانا عبد الرحمان کیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مغربی جمہوریت میں پانچ ارکان ایسے ہیں جو شرعاً ناجائز ہیں:

❶ خواتین سمیت تمام بالغوں کا حق رائے دہی (بالفاظ دیگر: سیاسی اور جنسی مساوات)

[1] اسلام اور سیاسی نظریات، ص:233۔ طبع جدید نومبر 2010ء۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی.

❷ ہر ایک کے ووٹ کی یکساں قیمت

❸ درخواست برائے نمائندگی اور اس کے جملہ لوازمات

❹ سیاسی پارٹیوں کا وجود

❺ کثرتِ رائے سے فیصلہ

ان ارکانِ خمسہ میں سے ایک رکن بھی حذف کر دیا جائے تو جمہوریت کی گاڑی ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتی ہے۔ جبکہ اسلامی نظام خلافت میں ان ارکان میں سے کسی ''ایک'' کو بھی گوارا نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا یہ دونوں نظام ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ یعنی نہ تو جمہوریت کو ''مشرف بہ اسلام'' کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی نظام خلافت میں جمہوریت کے مروجہ اصول شامل کرکے اس کے سادہ، فطری اور آسان طریق کار کو خوہ مخواہ ''مکدر اور مبہم'' بنایا جاسکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جمہوریت ایک لادینی نظام ہے اور اس کے علمبردار مذہب سے بیزار تھے۔ جبکہ خلافت کی بنیاد ہی اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آخرت کے تصور پر ہے اور اس کے اپنانے والے انتہائی متقی اور بلند اخلاق تھے۔

ہمارے خیال میں جیسے دن اور رات یا اندھیرے اور روشنی میں سمجھوتہ ناممکن ہے، بالکل ایسے ہی دین اور لادینی یا خلافت یا جمہوریت میں بھی مفاہمت کی بات ناممکن ہے۔ لہٰذا اگر جمہوریت (یا اس کے اصولوں) کو بہر حال اختیار کرنا ہے تو اسے توحید و رسالت سے انکار کے بعد ہی اپنایا جاسکتا ہے''۔[1]

[1] خلافت وجمہوریت، ص:216-218.

داعیٔ ختم نبوت مولانا یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”بعض غلط نظریات قبولیتِ عامہ کی ایسی سند حاصل کر لیتے ہیں کہ بڑے بڑے عقلاء(اور عالم کہلانے والے بھی)اس قبولیتِ عامہ کے آگے سر ڈال دیتے ہیں،وہ یا تو ان غلطیوں کا ادراک ہی نہیں کرپاتے یا اگر ان کو غلطی کا احساس ہو بھی جائے تو اس کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں کر سکتے۔دنیا میں جو بڑی بڑی غلطیاں رائج ہیں،ان کے بارے میں اہل عقل اسی لئے ایسے کا شکار ہیں!اسی غلط قبولیتِ عامہ کا سکہ آج ”جمہوریت “میں چل رہا ہے ۔جمہوریت دورِ جدید کا وہ ”صنمِ اکبر“ ہے جس کی پرستش اول اول دانایانِ مغرب نے شروع کی۔چونکی وہ آسمانی ہدایت سے محروم تھے،اس لئے ان کی عقلِ نارسا نے دیگر نظام ہائے حکومت کے مقابلے میں جمہوریت کا بت تراش لیااور پھر اس کو مثالی طرزِ حکومت قرار دے کر اس کا صور بلند آہنگی سے پھونکا کہ پوری دنیا میں اس کا غلغلہ بلند ہوا،یہاں تک کہ مسلمانوں نے بھی تقلیدِ مغرب میں جمہوریت کی مالا جپنی شروع کر دی۔کبھی یہ نعرہ بلند کیا گیا کہ ”اسلام جمہوریت کا علم بردار ہے“اور کبھی ”اسلامی جمہوریت “(جیسی خبیث اصطلاح)وضع کی گئی۔حالانکہ مغرب”جمہوریت“کے جس بت کا بجاری ہے ،اس کا نہ صرف یہ کہ اسلام سے کوئی تعلّق نہیں بلکہ وہ اسلام کے سیاسی نظریہ کی ضد ہے۔اس لئے اسلام کے ساتھ جمہوریت (یا اس کی اصطلاحات)کا پیوند لگانا اور جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کرنا صریحاً غلط ہے“۔[1]

ابو محمد عاصم المقدسی حفظہ اللہ اپنی مشہور معروف کتاب ”الدیمقراطیہ دین“فرماتے ہیں:

”جمہوریت لادینیت یا سیکولرازم کی”ناجائز اور غیر قانونی باندی“ ہے اور سیکولرازم ایسا ”کفری دین“ ہے جو زندگی اور ریاست وحکومت سے دین کو نکال باہر کرتا ہے۔جمہوریت

[1] آپ کے مسائل اور ان کا حل،جلد8،ص:176.

دراصل عوام یا طاغوت کے فیصلے کو کہتے ہیں اور یہ کسی بھی حال میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ جمہوریت میں اللہ کے قانون محکم کا بالکل اعتبار نہیں، سوائے یہ کہ اللہ کا قانون پہلے دستور کے مطابق ہو جائے یا پھر عوامی خواہشات کے اور ان سب سے پہلے وہ "طاغوت" یا "سربراہ طبقے" کی ترجیحات واغراض کے عین مطابق ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ساری عوام "طاغوت" یا "ارباب جمہوریت" سے کہے کہ ہم اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق حکومت یا فیصلہ چاہتے ہیں، اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ عوام یا عوامی نمائندوں یا عوامی حکمرانوں کے پاس قانون سازی کا اختیار ہو، اور ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو مرتد ،زانی، چور اور شراب خور پر جاری کیا جائے اور عورت کے لئے عفت وحجاب کی پابندی لگائی جائے اور ہر طرح کی بے حیائیوں پر مکمل پابندی عائد ہو، تو ان کا جواب فوری طور پر یہی ہو گا کہ یہ "دین جمہوریت" اور "دین حریت" کے منافی ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ جمہوری آزادی ہی تو ہے جو اللہ کے دین اوراس کے قانون اور اس کے حدود کی تمام حدبندیوں سے مکمل آزاد کر دیتی ہے۔ کیونکہ زمینی دستور کا قانون اور وضعی قانون کی حدودیں، اس گندی جمہوریت میں مکمل محفوظ ومامون بھی ہیں اور نافذالعمل بھی ہیں بلکہ جو ان کی خلاف ورزی یا مخالفت کرے اس کے لئے سزا ضروری ہے۔

لہٰذا اے میرے موحد بھائیوں! جمہوریت اللہ کے دین کے مدمقابل ایک مستقل دین ہے ۔جس میں طاغوت کی حکمرانی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی، جھوٹے معبودان متفرقہ کی شریعت ہے نہ کہ اللہ واحد وقہار کی۔ مخلوق میں سے جو بھی اسے اختیار کرے یا اس کی موافقت کرے تو در حقیقت وہ "دستور کی دفعات" کے مطابق اپنے لئے اللہ واحد قہار کے قانون کے مدمقابل قانون سازی کا حق قبول کر رہا ہے چاہے اب وہ اسے قبول کرنے کے بعد قانون سازی میں شریک ہو یا نہ ہو اور ان شرکیہ انتخابات میں جیتے یا ہار جائے۔ اسی طرح کسی شخص کا دین جمہوریت کے مطابق ان میں حصہ لینا یا حصہ لینے والوں کی موافقت کرنا اور اپنے لئے قانون سازی کو قبول کرنا اور اپنے بنائے ہوئے قانون کو اللہ کی کتاب و قانون پر مقدم کئے

جانے کو قبول کرلینا ہی" عین کفر" ہے اورواضح گمراہی ہے بلکہ معبود حقیقی سے ٹکرلے کر اس کے ساتھ شرک کرنا ہے"۔[1]

علامہ احمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿ وامرھم شوریٰ بینھم ﴾ "اور ان کا معاملہ باہم مشورے سے طے ہوتا ہے" اس جیسی آیات کے ذریعے اپنی گندی جمہوریت کو جائز قرار دینے والوں کی بڑی موثر تردید کی ہے چنانچہ آیات: ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ (آل عمران:۱۵۹) "اور معاملے میں ان سے مشورہ لو" ﴿وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (الشوریٰ:۳۸) "اور ان کا معاملہ باہم مشورے سے طے ہوتا ہے" کی تفسیر کے حاشیے میں فرماتے ہیں:

"عصر حاضر میں دین کو مذاق بنالینے والے علماء وغیرہ ان دونوں آیات کو اپنی باطل تاویل اور گمراہ کرنے کے لئے مشقِ ستم بناتے ہیں تاکہ فرنگی کے بنائے ہوئے دستوری نظام کو جائز قرار دیں جس کا نام انہوں نے "جمہوری نظام" رکھ کر عوام کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے یہ لوگ ان دونوں آیات کو سرورق اور ہیڈنگ بناتے ہیں تاکہ اسلام سے منسوب جماعتوں کو دھوکہ دے سکیں۔ درحقیقت یہ ایسا کلمہ حق ہے جس سے باطل مقصد پورا کیا جارہا ہے........(آگے فرماتے ہیں) نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ: "عقلمند اور سمجھ دار مجھ سے قریب رہا کریں"۔ ان سے بے دین اور اللہ کے دین سے مصروف جنگ یا اعلانیہ گناہ کرنے والے یاخود کو اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کے مخالف قوانین بنانے کا مستحق سمجھنے والے اور اللہ کے دین کو برباد کرنے والے لوگ مراد نہیں جو کفر اور فسق کے مابین ہوں۔ ان کا صحیح مقام یہ نہیں کہ مشیر کے مرتبے پر فائز کئے جائیں بلکہ ان کے لئے تختہ دار یا کوڑا ہے۔[2]

---

[1] الديمقراطية دين، فصل اول.

[2] عمدة التفسير: 3/64-65.

اس ضروری بحث کے بعد ہم اس بات کی طرف آتے ہیں کہ مفتیؔ صاحب کا اس بات کو تسلیم کرنا کہ:

''بہر حال! جمہوریت کے بنیادی مقاصد میں کہیں بھی آپ یہ نہیں پائیں گے کہ خیر کو پھیلایا جائے گا، اور شر کو روکا جائے گا، اچھائی کو فروغ دیا جائے گا، اور برائی کو روکا جائے گا. جب تک جمہوریت وجود میں نہیں آئی تھی، بلکہ یا تو بادشاہتیں تھیں، یا عیسائی تھیو کریسی تو اس وقت تک اخلاقی بے راہ روی کا وہ طوفان نہیں اٹھا تھا جو جمہوریت کے بر سر پیکار ہونے کے بعد یورپ میں اٹھا ہے۔ حالت یہ ہے کہ کوئی بد سے بد تر کام ایسا نہیں ہے جس کو آج آزادی کے نام پر سندِ جواز نہ دی گئی ہو، یا کم از کم اُس کا مطالبہ نہ کیا جا رہا ہو۔ کیونکہ جمہوریت نہ کسی اخلاقی قدر کی پابند ہے، نہ کسی آسمانی ہدایت سے فیض یاب ہے، بلکہ عوام کی اپنی مرضی اور خواہش پر سارا دارومدار ہے''۔

پھر پوری دنیا بشمول بلاد اسلامیہ میں رائج جمہوریت کی اعلیٰ ترین اساس ''عوام کی حاکمیت'' پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ کہنا کہ:

''عوام کی حاکمیت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ در حقیقت یہ لفظ بھی ایک بہت بڑا دھوکہ ہے۔ اس لفظ کے ذریعے عوام کو خوش کر دیا گیا ہے کہ تم حاکم بن گئے، لیکن حقیقت میں ہوتا یہ ہے کہ حکومت میں عوام کی شرکت محض ایک تخیلاتی اور تصوراتی حیثیت رکھتی ہے۔ عملاً اکثر جگہوں پر عوام کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ حکومت کیا کر رہی ہے؟......... ایک زمانہ تھا کہ عریانی قانوناً منع تھی۔ لیکن اب رفتہ رفتہ ساری قیدیں ختم ہو گئی ہیں اب کوئی قید باقی نہیں ہے۔ اس وقت عریاں فلموں اور تصاویر کا جو سیلاب ہے، وہ ہمارے ملک میں بھی آ رہا ہے، اُٹھتا وہاں سے ہے اور پہنچتا یہاں بھی ہے اس کے اوپر کوئی روک عائد نہیں ہوتی۔ وجہ یہ ہے کہ کوئی بنیاد نہیں جس کی بناء پر روکا جائے، کیوں کہ جب عوام کی حاکمیت ٹھہری، اور وہ

اس کو پسند کرتے ہیں تو اُسے ناجائز کہنے کی کوئی معقول دلیل نہیں ہے۔ غرض یہ کہ کوئی بد سے بد تر کام ایسا نہیں ہے جو "جمہوریت کے سایہ" میں جائز قرار نہ دیا جارہا ہو"۔[1]

لیکن اس کے باوجود کہ چند بلاد اسلامیہ کے سوا تمام بلاد اسلامیہ میں نام نہاد "اسلامی جمہوریت" بھی نہیں، بلکہ خالص مغربی طرز کا نظام جمہوریت رائج ہے اور کلمہ گو طواغیت اس نظام جمہوریت کے کفریہ وشرکیہ قوانین کو بلاخوف وخطر جاری کرتے ہیں، پھر بھی مفتیؔ صاحب کا یہ سمجھنا کہ:

"اس لئے جب تک ان ملکوں کے حکمرانوں کو یہ "توفیق" نہ ہو کہ وہ اسلام کے "وسیع تر مفاد" میں اپنے اپنے ملکوں کو ایک ریاست یا کم از کم ایک وفاق کی شکل دیں، اُس وقت تک ان الگ الگ حکومتوں کو تسلیم کرنا ایک "مجبوری" ہے اور چونکہ ان میں سے ہر ملک میں اقتدار مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں ہے، اس لئے ان میں سے ہر ایک پر "دار الاسلام" کی تعریف بھی صادق آتی ہے"۔[2]

اور یہ کہنا کہ:

"اس لئے "مجبوری" کی حالت میں ان حکومتوں کو "تسلیم" کئے بغیر چارہ نہیں ہے، ورنہ شدید خلفشار لازم آئے گا۔ ماضی میں بھی حکومتیں کئی کئی رہیں، اور علماء امت نے ان کے احکام کو نافذ العمل سمجھا ہے۔ لہٰذا اس حد تک دوسرا قول (کہ مسلمانوں کہ ایک سے زیادہ امام ہونے کو) اختیار کرنا ایک "مجبوری" ہے کہ ان کے احکام کو "نافذ" قرار دیا جائے"۔[3]

---

[1] اسلام اور سیاسی نظریات، ص:148 تا 152۔ طبع جدید نومبر 2010ء۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی.

[2] اسلام اور سیاسی نظریات، ص:331۔ طبع جدید نومبر 2010ء۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی.

[3] اسلام اور سیاسی نظریات، ص:246۔ طبع جدید نومبر 2010ء۔ مکتبہ معارف القرآن کراچی.

مفتیؔ صاحب کی طرف سے بلاد اسلامیہ پر نام نہاد "اسلامی جمہوریت" بھی نہیں بلکہ مغربی جمہوریت پر قائم کفریہ و شرکیہ حکومتوں کے باوجود ان علاقوں کو "دار الاسلام" قرار دینے پر مفتیؔ صاحب کو اس مشورے کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ:

((من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا أو ليصمت))[1]

"جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ خیر کی بات کہے، ورنہ خاموش رہے"۔

چناچہ مفتیؔ صاحب بجائے اس کے کہ خود بھی اس معاملے افراط و تفریط کا شکار ہو کر کفر و اسلام کو خلط ملط کریں اور اپنے متبعین کے بھی دین و ایمان کو برباد کریں، اس سے تو بہتر ہے کہ وہ اپنا قلم توڑ کر خاموش رہیں اور اسلامی نظام سیاست پر کوئی کلام ہی نہ کریں۔

ہجرت مدینہ سے قبل انصار کی طرف سے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر اسد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے یہ کہا تھا:

"اے یثرب والو! سوچ سمجھ کر بیعت کرو۔ آج جب تم اس راہ پر نکلے ہو تو جان لو کہ کل عرب کو چھوڑنا پڑے گا۔ سارے لوگ تمہارے دشمن بن جائیں گے، تمہارے بیٹے اِس راہ میں قتل کیے جائیں گے، اگر تم اس کٹھن راہ پر صبر کر سکو تو پھر اِس نبی کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لو! تمہارا اجر اللہ کے ذمے ہے اور اگر تمہیں اپنی جان پیاری ہے تو آج ہی اس راستے کو چھوڑ دو تاکہ اللہ کے سامنے اپنی بے چارگی کا عذر پیش کر سکو۔"[2]

[1] صحیح البخاری، ج:18ص:438 رقم:5560۔صحیح المسلم، ج:1ص:163 رقم:67.

[2] رواہ احمد و البیہقی.

شیخ ابو محمد عاصم المقدسی فک اللہ اسرہٗ اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''ملت ابراہیم'' میں درج بالا واقعہ پر کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں:

'' موجودہ دور میں مبلغین کے روپ میں بہت سے مصلحت پسند داعیوں سے واسطہ پڑتا ہے' اگر آپ اِن میں سے نہیں کہلانا چاہتے تو پھر اپنا موازنہ ملتِ ابراہیم علیہ السلام سے کریں' اپنے آپ کو اس منہج ابراہیمی پر چلنے کے لئے پیش کریں' کوئی کمی کوتاہی ہو تو اپنا محاسبہ کریں۔اگر آپ ایسے لوگوں میں سے ہیں جو مصیبتوں پر صابر وشاکر رہنے والے ہوں تو پھر اِس دعوت کا حق ادا کریں اور ثابت قدمی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں، اور اگر آپ ''اقامت دین اور اظہارِ حق'' کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو اپنی جان کا خوف رکھنے والے داعیانِ اسلام کے بہروپ کو چھوڑ چھاڑ کر اپنے آپ کو گھروں میں بند کرلیں' اپنی اصلاح پہلے کرلیں' اور عوام الناس کے معاملے کو اللہ پر چھوڑ دیں یا چند بکریوں کو لے کر وادیوں میں چلے جائیں اور جس طرح صحابی رسول' اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ''کل قیامت کے دن اپنی بیچارگی کا عذر تو پیش کرسکو'' یعنی یہ کہ تم نے دین کی نصرت نہیں کی تو کم از کم اُس کی غلط تصویر بھی پیش نہیں کی۔ جب آپ ملت ابراہیمی کے قیام کی طاقت نہیں رکھتے اور طاغوت کا سامنا اہل توحید کی طرح نہیں کرسکتے تو ملت ابراہیمی کی دعوت کو بگاڑ کر پیش کرنے کے سنگین گناہ سے بچنے کی کوشش تو کریں۔ کسی شاعر نے بہت اچھی بات کہی ہے کہ:

''اے لوگو! بزدلانا گفتگو سے بہتر ہے کہ خاموش رہا جائے۔ کسی بری چیز کو پوشیدہ رکھنا بھی بہت اچھا ہے۔ پہلے تم حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھ لو پھر تم ہر سرکش طاغوت کی مخالفت کرنا۔ آج کل کے دور میں میٹھی میٹھی باتیں کرنے والوں اور منبروں پر چڑھنے والوں، مجالس میں بڑھ چڑھ کر باتیں کرنے والوں سے دھوکہ نہ کھانا۔ اللہ کی قسم! ان میں سے اکثر لوگ حقیقت اور ہدایت پر مبنی گفتگو نہیں کرتے اور نہ ہی مہلک باتوں کو کھل کر

بیان کرتے ہیں۔جو لوگ خواہشات کے پیروکار ہیں اور ظالموں کے ہمنشین ہیں،وہ کیسے حقیقت بتائیں گے؟؟جو لوگ دنیاوی جاہ وجلال چاہتے ہیں اور ممبری کے طلبگار ہیں وہ کیونکر حق کو ظاہر کریں گے؟اے میری قوم!میری نصیحت یہ ہے کہ تم اس دور کی رنگین دنیا میں کھو نہ جانا اور ''شکوک و شبہات'' پر مبنی تہذیب کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے زندگی گزارنا!''۔[1]

کیاعالمگیر طاغوتی نظام کی چھتری تلے اسلامک بینکنگ ممکن ہے؟

جس عالمگیر طاغوتی یا دجالی نظام کی چھتری تلے اس وقت پوری دنیا زندگی گزار رہی ہے،اس کے بڑے بڑے مظاہر میں سے ایک ،عالمی نظام معیشت(Globle Ecnomic System)بھی ہے۔پاکستان سمیت تمام بلاد اسلامیہ کی معیشت،در حقیقت یہود کی سربراہی میں چلنے والے عالمی معاشی سودی نظام کا جزو ہے،نہ کہ کوئی مستقل بالذات نظام۔اس عالمگیر دجالی معاشی نظام کی روح کرنسی کے ''کاغذی نوٹ''میں ہے اور''بینک''اس شیطانی نظام کا عملی محور ہے۔

ایں بنوک ایں فکر چالاک یہود (اقبال)

خلافت کے انہدام کے بعد یوں ان بینکوں کے قیام سے شاید ہی دنیا کا کوئی ایسا فرد ہو جو سود کے اثرات سے آلودہ نہ ہوا ہو،لیکن چونکہ عامۃ المسلمین کی وہ اکثریت،جس میں کچھ نہ کچھ دینی حمیت باقی تھی،اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے بیان کردہ سود کی شناعت وحرمت کی وجہ سے وہ ان بینکوں کے سودی قرضوں اور ابلیسی چالوں میں براہ راست(Directly) مبتلاء نہ ہوئی تھی۔لہذا جس طرح ابن ماجہ کی حدیث کے مطابق ''قرب قیامت لوگ شراب کو نام بدل کر حلال کرلیں گے''۔اسی طرح سود کو بھی اسلامی لبادے پہنا کر عامۃ المسلمین کو اس کا شکار کرنے کے لئے بھی عالم یہود نے علماء

[1] ملة ابراهيم ودعوة الانبياء والمرسلين واساليب الطغاة فى تمييعها وصرف الدعاة عنها.

وقت کا سہارا ڈھونڈا، اور ایسا لگتا ہے کہ شاید ان کو اپنے مقصد میں کافی حد تک کامیابی بھی نصیب ہو گئی ہے۔

چنانچہ آج وقت کے ابلیسی و دجالی ورلڈ آرڈر کے زیرِ سایہ اور زیر کفالتIslam+Interestکے ملغوبہ کے ساتھ " نام نہاد اسلامی معیشت "کا قیام عمل میں لایا گیا اوراس خبیث ملغوبہ کو پورے بلاد اسلامیہ میں پھیلانے کے فرائض اسلامی معیشت کے نام نہاد اسلامی مفکرین و محققین اوران کے زیر تحت چلنے والے معاشی تحقیقی ادارے بخوبی انجام دے رہے ہیں اور ان سب کے روحِ رواں میں اولین نام خود مفتیؔ صاحب کا آتا ہے۔

چنانچہ ہم تو اس موضوع پر گفتگو ہی نہیں کرنا چاہتے کہ موجودہ اسلامک بینکنگ صحیح ہے کہ غلط ،بلکہ ہمارا سوال تو یہ ہے کہ کیا اسلامک بینکنگ نام کی کسی چیز کا وجود اسلامی معیشت میں ممکن بھی ہے یا نہیں؟

الحمد للہ !اللہ رب العزت نے ہر دور میں ایسے اہل علم بھیجے ہیں جو امت کے عقائد و افکار پر حملہ آور ہونے والے نت نئے فتنوں کو الٰہی تعلیمات کی روشنی میں پہچانیں، ان کے خطرات سے امت کو خبر دار کریں، ان سے بچنے کی راہ سجھائیں اور بدلتے ہوئے حالات میں دین متین کا صاف اور سیدھا رستہ امت پر واضح کریں۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ آج سے تقریباً ستر (۷۰) سال قبل، جب یہ دجالی معاشی نظام دنیا بھر میں اپنی گرفت مستحکم کرنے کے ابتدائی مراحل میں تھا، امت کے بعض چوٹی کے علماء نے اس نظام کی حقیقت کو پہچان لیا تھا۔ انہوں نے اس خطرے کو بھانپتے ہوئے اس نظام سے بغاوت کی دعوت دی اور اسی حوالے سے فتاویٰ بھی جاری کئے۔ چناچہ برصغیر کے معروف عالم دین، مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۴۰ء میں مراد آباد جیل سے "کاغذی کرنسی نوٹ" کے حوالے سے ایک مختصر فتویٰ جاری کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتوے میں فرماتے ہیں:

''کاغذوں (کے نوٹ) سے ہندوستان کا بے شمار سونا باہر گیا ہے اور امریکہ کے پاس گروی رکھ دیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ برابر جاری ہے........ آپ کو سمجھایا جارہا ہے کہ دھوکے سے بچو۔ بے قیمت کاغذ لے کر اپنی دولت برباد مت کرو۔ نہ انگریزی حکومت کا کچھ اعتبار ہے، نہ ان کے بینکوں کا، نہ نوٹوں کا۔ لہٰذا اگر تم اپنی پونجی محفوظ کرنا چاہتے ہو تو:

(۱) کوئی نوٹ، بالخصوص ایک روپے والا یا پانچ روپے والا مت لو۔

(۲) جس قدر نوٹ آپ کے پاس ہوں، اس کے بدلے میں روپیہ، سونا یا چاندی (جو کہ اصل ثمن حقیقی ہیں) فراہم کر لو۔

(۳) تمہارے جس قدر رقوم بینکوں میں ہیں ان کو واپس لے لو۔

(۴) نوٹوں کے بدلے میں کوئی چیز مت فروخت کرو۔ گاؤں کے کاشت کار غلہ اس وقت فروخت کریں جب ان کو یقین ہو جائے کہ بدلے میں نوٹ نہیں دیئے جائیں گے۔ ننگِ اسلاف، حسین احمد غفر اللہ لہ (مراد آباد جیل)[1]

اسی طرح حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، جن کے ساتھ مفتیؔ صاحب اپنا گہرا تعلق ظاہر کرتے ہیں، اس کے علاوہ مفتیؔ صاحب کے والد محترم مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کاغذی نوٹ کو ''ثمن عرفی'' اور ''مال'' ماننے سے انکار کیا ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ میں درج ہے کہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ کیا ''کاغذی نوٹ'' دیگر سکّوں کی طرح ہیں یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ ''نہیں''۔ نیز ایک دوسرے سوال کے جواب میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

---

[1] مکتوب 143، مکتوبات شیخ الاسلام، جلد چہارم۔ کتاب ''اسیر ان مالٹا''، ص:239-240.

”جب جلے ہوئے نوٹ دکھانے سے روپیہ مل جاتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ سرکار بھی نوٹ کو ”سند مال“(یعنی محض مال کی رسید) سمجھتی ہے، اگر (یہ) مال (ثمن حقیقی) ہوتا تو اگر کوئی کپڑا خریدے اور وہ جل جاوے تو اس کو جلا ہوا دکھلا کر کیا کوئی شخص روپیہ لے سکتا ہے“؟[1]

تعجب ہے کہ جس ”کاغذی نوٹ“ کی حقیقت ہمارے بزرگوں نے اُس وقت پہچان لی تھی جب یہ دجالی نظام ابھی اپنے ابتدائی مراحل ہی میں تھا اور اس کا دجل بھی اتنا واضح نہ تھا۔ لیکن آج ان ہی بزرگوں پر فخر کرنے والے اور ان سے اپنا روحانی رشتہ جوڑنے والے سات دہائیاں گزرنے کے بعد بھی نہ صرف اس ”کاغذی نوٹ“ کے دجالی نظام کو فریبی تاویلات کے ذریعے شرعی جواز بخشنے پر مصر ہیں بلکہ غضب بالائے غضب انہوں نے اس عالمی دجالی نظام معیشت کے سائے اور اس کی منظوری سے نام نہاد اسلامی بینکنگ کی پوری عمارت کھڑی کر دی ہے۔ اس دجالی مکروفریب سے وہی بچ سکتا ہے جس کو اللہ بچانا چاہے۔ لہٰذا جب سود کو ”منافع“ کے نام جائز کر دیا جائے گا جیسا کہ آج کی نام نہاد اسلامک بینکنگ کے ذریعے کر دیا گیا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے ایسے وقت کو امت کے لئے باعثِ ہلاکت قرار دیا تھا:

((اذا استحلت هذه الامة الخمر بالنبيد، والربا بالبيع، والسحت بالهدية، واتجروا بالزكوة، فعند ذلك هلاكهم ليزدادوا اثماً))[2]

”جب یہ امت شراب کو مشروب کے نام سے، سود کو منافع کے نام سے اور رشوت کو تحفے کے مال سے حلال کر لے گی اور مال زکوٰۃ سے تجارت کرنے لگے گی تو یہ وقت ان کی ہلاکت کا ہوگا، گناہوں میں زیادتی اور ترقی کے سبب“۔

[1] امداد الفتاویٰ، جلد سوم، ص:167،166.

[2] رواه الديلمي۔ كنز العمال، ج:14ص:226رقم 38497.

"کاغذی نوٹ" کی یہ بحث یہاں کھولنے سے مقصود کسی مفصل فقہی مباحثے میں داخل ہونا نہیں ،بلکہ صرف یہ واضح کرنا ہے کہ برصغیر کے ان کے کبار اہلِ علم نے اتنی سنگین عملی پیچیدگیوں کو دیکھنے کے باوجود عوام کیلئے "رخصت" اور "اضطرار" کے دروازے چوپٹ کھولنے کی راہ نہیں اختیار کی۔ فتاویٰ دینے میں علمائے راسخین کا منہج ہمیشہ یہی رہا ہے کہ انہوں نے اصل حکم شرعی کو پوری وضاحت سے بیان کیا ہے اور رخصتوں کو ہمیشہ محدود ترین دائرے میں رکھنے کی سعی کی ہے، تاکہ "اضطرار" کو "اصل" اور "رخصت" کو "عزیمت" نہ سمجھ لیا جائے۔ نیز یہ بھی کبھی اہل حق علماء کا یہ طرز نہیں رہا کہ لوگوں کو سہولت پہنچانے اور عملی پیچیدگیوں سے بچانے کی فکر ان پر اتنی غالب ہوں کہ وہ حقیقی اضطرار میں مبتلا افراد کے بجائے پورے پورے معاشروں کو رخصت کی راہیں دکھلا دیں اور مسلم معاشرے کو یہ اطمینان دلا دیں کہ کفر کی ہمہ گیر حاکمیت تلے رہتے ہوئے بھی شریعت پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونا ممکن ہے۔ اس کے برعکس مذکورہ بالا فتاویٰ اگرچہ عملی طور پر انتہائی پیچیدہ مسائل کو جنم دیتے نظر آتے ہیں، لیکن یہ فتاویٰ اپنے اندر یہ واضح پیغام رکھتے ہیں کہ ان عملی پیچیدگیوں سے بچنے اور شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی واحد صورت یہی ہے کہ مسلمان کفر کی غلامی سے نکلیں اور شرعی خلافت قائم کریں۔ کیونکہ یہ شریعت "غلاموں کے غلاموں" کا دستور العمل بننے نہیں آئی بلکہ دنیا پر سیادت و حاکمیت کے لئے اتاری گئی ہے۔

آخر میں ہم مفتیؒ صاحب اور ان کے بیٹے، جو کہ عصر حاضر میں نام نہاد اسلامی بینکنگ کے روحِ رواں ہیں، کی ایک کتاب جس کا پیش لفظ خود مفتیؒ صاحب نے لکھا تھا اور اس میں انہوں بینک فی الذات اچھا نہیں سمجھا تھا اور اس کی شناعت بیان کی تھی، سے نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اپنے بھولے ہوئے سبق کو پھر یاد کرلیں کہیں پھر مہلت عمل ختم نہ ہو جائے اور افسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے۔ مفتیؒ صاحب کے بیٹے اپنی کتاب "فتنوں کا عروج اور قیامت کے آثار" میں رقم طراز ہیں:

"سود عام ہو جائے گا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لوگوں پر ضرور ضرور ایک ایسادور آئے گا کہ کوئی شخص ایسا باقی نہ رہے گا، جو سود کھانے والا نہ ہو، اور اگر سود نہ بھی کھائے تو اسے سود کا دھواں (اور بعض روایات میں غبار) پہنچ جائے گا"[1]

یہ پیشین گوئی بھی آج حرف بحرف صادق آرہی ہے کہ آج کل تمام روپیہ پیسے کا تعلق بینک سے ہے، اور تمام کاروبار میں کہیں نہ کہیں بینکوں کا عمل دخل ضرور ہے، اور اس کے علاوہ بینک کی ملازمت اور بینک سے سودی قرضہ کا لین دین یہ تمام باتیں آج کل کے زمانہ میں عام ہو چکی ہیں"۔[2]

اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کو اور ان کے بیٹے کو اپنے اس سابقہ مؤقف کی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

---

[1] مشکوٰۃ.

[2] فتنوں کا عروج اور قیامت کے آثار، ص:103۔ مؤلف عمران اشرف عثمانی مطبوعہ دارالاشاعت کراچی.

باب پنجم

قرب قیامت ظہور پذیر ہونے والے عظیم فتنے

فی زمانہ مجموعی طور پر تمام بلاد اسلامیہ پر طواغیت در طواغیت کی حکمرانی اور علمائے سوء کا ان کو" تسلیم" کرتے ہوئے ان کے احکامات کو "نافذ العمل" سمجھنا دراصل قرب قیامت ظاہر ہونے والے ان دو عظیم فتنوں یعنی

(۱) آئمۃ الکفر

(۲)آئمۃ المضلین

کے ظاہر ہونے کی علامت ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے امت مسلمہ کو پہلے ہی خبر دار کر دیا تھا۔

آئمۃ الکفر کا فتنہ:

رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے خبر دار کر دیا تھا کہ قرب قیامت کفر وارتداد کے حامل حکمران "کفر کے امام اور گمراہوں کے سردار" بن بیٹھیں گے۔ ظلم و ستم کا بازار گرم رکھیں گے، ان کے خطبے اور تقریریں بظاہر حکمت سے بھری ہوں گی لیکن سب سے بڑھ کر جھوٹے ہوں گے اور ان کے قلوب شیطانوں کی مانند ہوں گے۔ جو ان کی اطاعت کرے گا وہ اس کو گمراہ اور کافر بنا کر جہنم کا ایندھن بنادیں گے اور جو ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچے گا اور ان کے خلاف کھڑا ہو گا اس کو قتل کروادیں گے:

((یَکُوْنُ عَلَیْکُمْ اُمَرَاءُ ھُمْ شَرٌّ مِّنَ الْمَجُوْسِ))[1]

”تم پر ایسے لوگ حاکم بنیں گے جو مجوسیوں (آتش پرستوں) سے بھی بدتر ہوں گے“۔

((سیکون بعدی امراء یقولون ولا یرد علیھم یتقاحمون فی النار کما تتقاحم القردة))[2]

”عنقریب میرے بعد ایسے حاکم ہوں گے جو (کفر و گمراہی پر مبنی) باتیں کریں مگر کسی کو ان کو ٹوکنے کی ہمت نہ ہوگی، یہ سب لوگ جہنم میں گھسیں گے جس طرح بندر گھستے ہیں“۔

((وعن ابی بردة رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان بعدی ائمة ان اطعتموھم اکفروکم وان عصیتموھم قتلوکم أئمةالکفر ورؤوس الضلالة))[3]

”حضرت ابی بردة رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میرے بعد ایسے حکمران آئیں گے جن کی اگر تم اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں کافر بنا دیں گے اور اگر ان کی بات نہ مانو گے تو تمہیں قتل کر دیں، (یہی) کفر کے امام اور گمراہوں کے سردار (ہوں گے)“۔

((وعن عبادة بن الصامت قال ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الأمراء فقال یکون امراء ان اطعتموھم ادخلوکم النار وان عصیتموھم قتلوکم))[1]

---

[1] عن ابن عباس رضی اللہ عنہ رواہ الطبرانی واسنادہ صحیح، مجمع الزوائد: الجزء الخامس، رقم الحدیث 1893.

[2] رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط وابویعلی ورجالہ ثقات بحوالہ مجمع الزوائد، ج:5ص:236.

[3] مسند ابی یعلی والطبرانی، مجمع الزوائدج:5ص:238، واسنادہ فیہ کلام .

”حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمرانوں کا ذکر کیا ۔پس فرمایا کہ آئندہ ایسے حکمران آئیں گے کہ اگر تم ان کی اطاعت کروگے تو تم کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور اگر ان کی بات نہ مانوں گے تو تمہیں قتل کر دیں گے“۔

((ولکنی اخاف علی امتی ائمۃ مضلین ان اطاعوھم فتنوھم وان عصوھم قتلوھم))[2]

”لیکن مجھے اپنی امت پر ان گمراہ کرنے والے حکمرانوں کا ڈر ہے کہ اگر جو ان کی اطاعت کرے گا اس کو وہ فتنوں میں مبتلاء کر دیں گے اور اگر ان کی نافرمانی کریں گے تو قتل کر دیں گے“۔

((وعن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یکون فی ھذہ الأمۃ فی آخر زمان رجال معھم سیاط کانھا اذناب البقر یغدون فی سخط اللہ ویروحون فی غضبہ))[3]

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانے میں اس امت پر ایسے لوگ مسلط ہو جائیں گے جن کے پاس گائے کی دم جیسے کوڑیں ہوں گے،وہ لوگ اللہ کے غصہ میں صبح کریں اور اللہ کے غضب میں شام کریں گے“۔

((وعن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال سیکون بعدی ائمۃ یعظون الحکمۃ علی منابرھم فاذا نزلوا نزعت منھم واجسادھم شر من الجیف))[1]

---

[1] مسند ابی یعلی والطبرانی،مجمع الزوائدج:5ص:238،واسنادہ فیہ کلام .

[2] الطبرانی،مجمع الزوائدج:5ص:239.

[3] مسند احمد،الحاکم،الطبرانی.

"حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد ایسے حکمران آئیں گے جو منبروں پر تو بڑے پُر حکمت وعظ کہیں گے اور جب منبروں سے اتریں گے تو ان کے جسم مردار جیسے ہوں گے"۔

((وعن كعب بن عجرة رضي الله عنه قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال انها ستكون عليكم امراء من بعدى يعظون بالحكمة على منابر فاذا نزلوا اختلست منهم وقلوبهم أنتن من الجيف)) [2]

"حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ میرے بعد تم پر ایسے حکمران آئیں گے جو منبر پر بڑی پُر حکمت وعظ کریں گے اور جب منبروں سے اتریں گے تو ان سے حکمت چھین لی جائے گی، ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار ہوں گے"۔

آئمۃ الکفر سے برأت کے بغیر نجات ممکن نہیں:

((وعن جابر بن عبد الله ان النبى صلى الله عليه وسلم قال لكعب بن عجرة اعاذك الله من امارة السفهاء قال امراء يكونون بعدى لايهتدون بهدى ولا يستنون بسنتى فمن صدقهم بكذبهم واعانهم على ظلمهم فاؤلئك ليسوا منى ولست منهم ولا يردون على حوضى)) [3]

---

[1] الطبرانی فی الاوسط، مجمع الزوائدج:5ص:238.

[2] رواه الطبرانی، مجمع الزوائدج:5ص:238، رجاله ثقات.

[3] مسنداحمد، مسند بزار، مجمع الزوائدج:5ص:247، واسناده صحیح.

”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: پناہ مانگو اللہ سے بیوقوفوں کی حکمرانی سے۔ پھر فرمایا میرے بعد ایسے حکمران آئیں گے جو نہ میری ہدایت کے مطابق حکومت کریں گے اور نہ ہی میرے طریقے کے مطابق چلیں گے۔ پس جس نے اِن کے جھوٹ کی تصدیق کی اور ان کے ظلم میں اعانت کی تو ان لوگوں کا نہ مجھ سے کوئی تعلق ہے اور نہ میرا ان سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی یہ میرے حوضِ کوثر پر آسکیں گے“۔

((وعن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال فی خطبة الا انی اوشك فأدعى فأجيب فيليكم عمال من بعدى يعملون بما تعملون ويعملون ماتعرفون وطاعة اولئك وطاعة فتلبثون كذلك زمانا فيليكم عمال من بعدهم يعملون بمالا تعملون ويعلمون بمالاتعرفون فمن قادهم وناصحم فاولئك قد اهلكوا واهلكوا وخالطوهم بأجسادكم وزايلوهم بأعمالكم واشهدوا على المحسن انه محسن وعلى المسيئ))[1]

”حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور اس میں فرمایا: خبردار قریب ہے میں بلالیا جاؤں اور میں قبول کرلوں۔ میرے بعد تم پر امراء آئیں گے جو وہی کہیں گے جو تم جانتے ہو اور وہی کریں گے جو پہچانتے ہو، پس ان کی اطاعت اطاعت ہے۔ کچھ عرصہ تم اسی طرح رہو گے پھر تم پر امراء آئیں گے جو وہ کہیں گے جو تم جانتے نہ ہو گے وہ کریں گے جو تم پہچانتے نہ ہو گے۔ پس جو ان کا خیر خواہ بنا، وزیر بنا اوران کا مضبوط ساتھی بنا، یہ لوگ خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو ہلاک کیا۔ ان کے ساتھ اپنے

[1] رواه الطبرانی فی الاوسط ، مجمع الزوائدج: 5، ص: 236 عن محمد بن علی المروزی وهو ضعيف.

جسموں سے ملو اور اپنے اعمال سے انہیں ختم کرو اور نیک پر نیک ہونے اور بد پر بد ہونے کی گواہی دو"۔

((عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه قال قال رسول الله ﷺ: انه تصيب امتی فی آخر الزمان من سلطانهم شدائد لاينجومنه الا رجل عرف دين الله فجاهد بلسانه ويده وقلبه، فذالك الذی سبقت له السوابق، ورجل عرف دين الله فصدق به، ورجل عرف دين الله فسكت عليه، فان رأى من يعمل الخير احبه عليه، وان رأى من يعمل بباطل ابغضه عليه، فذالك ينجوعلى ابطانه كله"))[1]

"حضرت عمر بن خطاب t روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آخری زمانے میں میری امت کو اربابِ اقتدار کی جانب سے (دین کے معاملہ) میں بہت سی دشواریاں پیش آئیں گی، ان (کے وبال) سے صرف تین قسم کے لوگ محفوظ رہیں گے۔ اول: وہ شخص جس نے دین اللہ کو ٹھیک ٹھیک پہچانا، پھر اس کی خاطر (ان حکمرانوں سے) ہاتھ، زبان اور دل (تینوں) سے جہاد کیا تو یہ شخص (اپنی تینوں) پیش قدمیوں کی وجہ سے سب سے آگے نکل گیا۔ دوم: وہ شخص جس نے دین اللہ کو پہچانا، پھر (زبان سے) اس کی تصدیق کی (یعنی برملا اعلان کیا)۔ سوم: وہ شخص جس نے دین اللہ کو پہچانا تو سہی مگر خاموش رہا، اگر کسی کو (درجِ بالا) عملِ خیر کرتے دیکھا تو اس سے محبت کی اور کسی کو باطل (کے قوانین) پر عمل کرتے دیکھا تو اس سے بغض رکھا، تو یہ شخص اپنی محبت و عداوت کو پوشیدہ رکھنے کے باوجود بالآخر نجات کا مستحق ٹھہرے گا"۔

[1] رواه البيهقی شعب الايمان، ج:16ص:126رقم:7325۔کنز العمال، ج:3ص:682رقم:8450.

((الاان رحاالاسلام دائرة فدوروامع الكتاب حيث دار،الاان الكتاب والسلطان سيفترقان فلاتفارقوا الكتاب الاانه سيكون عليكم امراء يقضون لانفسهم مالا يقضون لكم فان عصيتموهم قتلوكم وان اطعتموهم اضلوكم قالوا يارسول الله ﷺ كيف نصنع قال كماصنع اصحاب عيسى بن مريم نشروابالمناشير وحملوا على الخشب موت فى طاعة الله خيرمن حياة فى معصية الله))[1]

"اسلام کی چکی گردش میں ہے تو جدھر قرآن کا رخ ہو اسی طرف تم بھی گھوم جاؤ، ہوشیار رہو! قرآن اور اقتدار عنقریب الگ الگ ہو جائیں گے۔(خبردار) قرآن کو نہ چھوڑنا، آئندہ ایسے حکمران ہوں گے جو تمہارے بارے میں فیصلے کریں گے۔ اگر تم ان کی اطاعت ("تسلیم") کروگے تو تمہیں سیدھی راہ سے بھٹکادیں گے اور تم ان کی نافرمانی کروگے تو وہ تمہیں موت کے گھاٹ اتاردیں گے"۔ صحابی نے کہا یارسول اللہ تو پھر ہم کیا کریں؟ فرمایا:"وہی کرو جو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کیا، وہ لوگ آروں سے چیرے گئے، سولیوں پر لٹکائے گئے (مگر کفر کے قانون کو تسلیم نہ کیا)، خدا کی نافرمانی میں زندہ رہنے سے بدرجہا بہتر ہے کہ آدمی خدا کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے جان دے دے"۔

چنانچہ جب بندہ مؤمن حلاوتِ ایمانی کا طلبگار ہواور حالات یہ ہوں کہ کفر کی اطاعت" تسلیم"کئے بغیر چارہ نہ ہو، وگرنہ بصورت دیگر آتش نمرود میں جلنا اس کو مقدر ہو، تو ایسے موقع پر رسول اللہ ﷺ جو لائحہ عمل بتلاگئے وہ تو یہی ہے کہ بندۂ مؤمن اسوۂ ابراہیم علیہ السلام پر عمل کرتے ہوئے آتشِ نمرود میں جلنا تو منظور کرلے مگر کفر کی اطاعت کسی بھی صورت میں "تسلیم" نہ ہو۔

---

[1] الطبرانی، مجمع الزوائدج:5ص:238.

((ثلاث من كن فيه وجد حلاوة الايمان (وفى رواية طعم الايمان): أن يكون الله ورسوله أحب اليه مما سواهما، وأن يحب المرء لايحبه الا الله (وفى رواية وأن يبغض فى الله)، وأن يكره أن يعود فى الكفر كمايكره ان يقذف فى النار))[1]

"تین چیزیں جس شخص کے اندر ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت (اور ایک روایت میں ایمان کا مزہ) پالے گا۔ ان میں سے پہلی چیز یہ ہے کہ انسان کو اللہ اوراس کے رسول ﷺ سے محبت سب چیزوں سے بڑھ کر ہو جائے، دوسری چیز یہ ہے کہ آدمی اگر کسی سے محبت کرے تو اللہ کے لئے کرے (اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اللہ ہی کے لئے بغض رکھے) اور تیسری چیز یہ ہے کہ آدمی کو کفر کی طرف پلٹنے سے اتنی نفرت اوراذیت ہوتی ہو جتنا کہ اس کو آگ میں پھینکے جانے سے ہوتی ہے"۔

آئمۃالمضلّین کافتنہ:

جب کفر کے اماموں اور گمراہوں کے سردار حکمرانوں کا غلبہ ہو، تو ایسے وقت کسی عالم یا دانشور کا ان کے لئے نرم گوشہ رکھنا اور ان کی ولایت کو جائز قرار دینے کے لئے اہل ایمان سے ناحق جدال کرنا کسی فتنے سے کم نہیں۔ جب یہ کیفیت ہو تو یہ "دین اللہ" یعنی اسلام کی پوری عمارت کو ڈھادینے کے مترادف ہے۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے قرب قیامت ایسے آئمۃ المضلین کے بارے میں خبر دی تھی کہ وہ حامل قرآن ہونے کے دعوے دار ہوں گے مگر قرآن کی آیات کو ان کے مقام سے پھیر

[1] صحيح البخارى،ج:1ص:26رقم:15۔ سنن ابن ماجه،ج:12ص:40رقم:4023۔سنن نسائى،ج:15ص:168رقم:4901.

کر اہل ایمان سے ناحق جدال کریں گے اور ان علماء کی اکثریت منافقین پر مشتمل ہو گی۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے ان سے دور رہنے اور دین کے معاملے میں ان کے پیچھے چلنے سے منع کیا ہے:

((أَيُّ شَيْئٍ اَخْوَفُ عَلٰى اُمَّتِكَ مِنَ الدَّجَّالِ؟ قَالَ: اَلأَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ))[1]

"(کسی نے پوچھا) دجال سے بھی زیادہ آپ کو اپنی امت پر کس چیز کا ڈر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: گمراہ کرنے والے اماموں کا"۔

((يوشك ان ياتى على الناس لا يبقى من الاسلام الا اسمه ولا يبقى من القرآن الا رسمه، مساجدهم عامرهم وهى خراب من الهدى، علماءهم شر من تحت اديم السماء من عندهم تخرج الفتنة وفيهم تعود))[2]

"عنقریب ایک زمانہ آئے گا جس میں اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کے صرف الفاظ باقی رہ جائیں گے، اُن کی مسجدیں بڑی بارونق ہوں گی مگر (دوسری احادیث کے مطابق فساق علماء کی وجہ سے) رُشد و ہدایت سے خالی ہوں گی، ان کے علماء آسمان کی نیلی چھت کے نیچے بسنے والی تمام مخلوق میں سب سے بدترین ہوں گے، فتنہ ان ہی کے ہاں سے نکلے گا اور ان ہی میں لوٹ جائے گا (یعنی فتنہ کے بانی بھی ہوں گے اور وہی مرکز و محور بھی)۔

((وعن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ عن رسول الله ﷺ اياكم وثلاثة زلة عالم وجدال منافق بالقرآن ودنيا تقطع اعناقكم فأما زلة عالم فان اهتدى فلاتقلدوه دينكم))

---

[1] مسند احمد ج:5 ص:145.

[2] رواه البيهقى فى شعب الايمان، مشكوة شريف ص:38.

"بچاؤ اپنے آپ کو تین چیزوں سے، عالم کے راہِ حق سے پھسلنے اور قرآن کے ساتھ منافق کا جھگڑا کرنے اور اس دنیا سے جو تمہاری گردنوں کو کاٹ دے گی۔ پس جب کوئی عالم راہ حق سے پھسلتا ہے جبکہ اس پر ہدایت واضح کی جاچکی ہو تو تم اپنے دین کے معاملے میں اس کی پیروی نہ کرو"۔[1]

((عن زیاد بن حدیر قال قال لی عمر ثم هل تعرف ما یهدم زلة الاسلام ؟ قال قلت لا، قال یهدم العالم وجدال المنافق بالکتاب وحکم الائمة المضلین))[2]

"حضرت زیاد بن حدیر فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ کیا چیز اسلام (کی عمارت) کو ڈھادیتی ہے (اور اس کی) ذلت کا باعث بنتی ہے؟ میں نے ان سے کہا میں نہیں جانتا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عالم کا راہِ حق سے گرنا اور منافق کا (بندۂ مومن سے) قرآن کے ساتھ جھگڑا کرنا اور گمراہ کرنے والے حکمرانوں کا فیصلہ کرنا"۔

((عن زیاد بن حدیر قال قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یهدم الاسلام ثلاثة زلة عالم وجدال المنافق باالقرآن وائمة مضلون))[3]

"حضرت زیاد بن حدیر فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تین چیزیں اسلام کو ڈھادیتی ہیں۔ عالم کا راہِ حق سے پھسلنا اور منافق کا (بندۂ مومن سے) قرآن کے ساتھ جھگڑا کرنا اور گمراہ کرنے والے حکمران"۔

---

[1] الطبرانی فی الاوسط، مجمع الزوائد ،باب ما یخاف علی الامة من زلة العالم وجدال المنافق وغیر ذلك ج:1ص186.

[2] سنن الدارمی ج:1ص:82، رقم الحدیث214.

[3] صفة المنافق ج:1ص:54، رقم الحدیث:31.

((عن زیاد بن حدیر قا ل قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان اخوف ما اخاف علیکم ثلاثة منافق یقرا القرآن لا یخطیٔ فیه واوا ولا الفا یجادل الناس انه اعلم منهم لیضلهم عن الهدی و زلة عالم وائمة مضلون)) [1]

"حضرت زیاد بن حدیر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے تم پر تین باتوں کے آنے کا سب سے زیادہ ڈر ہے۔ اس منافق سے جو قرآن کریم پڑھے، نہ واؤ کی غلطی کرے اور نہ الف کی۔ مسلمانوں سے اس طرح جدال کرے جیسا کہ وہ سب سے زیادہ جاننے والا (عالم) ہے تاکہ ان کو سیدھے راستے سے گمراہ کردے اور عالم کا (راہ حق سے) پھسلنا اور گمراہ کرنے والے حکمران"۔

((عن زیاد بن حدیر قال قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یهدم الزمان ثلاث ضیعة عالم ومجادلة منافق بالقرآن وائمة مضلون)) [2]

"حضرت زیاد بن حدیر فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تین چیزیں زمانے کو ڈھا دیتی ہیں۔ عالم کا راہِ حق سے پھسلنا اور منافق کا (بندۂ مومن سے) قرآن کے ساتھ جھگڑا کرنا اور گمراہ کرنے والے حکمران"۔

امام عبد اللہ بن مبارک ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ:

((عبید الله بن ابي جعفر قال قیل لعیسیٰ بن مریم صلوات الله یا روح الله وکلمته من اشد الناس فتنة قال زلة العالم اذا زل العالم زل بزلته عالم کثیر)) [3]

---

[1] صفة المنافق ج:1ص:54، رقم الحدیث:29.

[2] الزهد لابن المبارك ج:1ص:520، اخرجه ابو نعیم.

[3] الزهد لابن مبارك ج:1ص:520.

حضرت عبید اللہ بن جعفر فرماتے ہیں کہ کسی نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہ اے روح اللہ اور اس کا کلمہ !لوگوں کے لئے سخت ترین فتنہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: عالم کا راہِ حق سے پھسلنا، جب عالم پھسلتا ہے تو اس کے پھسلنے سے لوگوں کی کثیر تعداد پھسل جاتی ہے"۔

((وعن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لااتخوف علی امتی مؤمنا ولامشرکافأما المؤمن فیحجزہ ایمانہ واماالمشرك فیقمعہ کفرہ ولکن اتخوف علیکم منافقا عالم اللسان یقول ما تعرفون ویعمل ما تنکرون))[1]

"حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنی امت پر کسی مومن کے یا مشرک کے آنے کا ڈر نہیں۔ پس مومن تو اپنے ایمان کو بچا کر رکھے گا اور مشرک کو اس کا کفر ہی مٹادے گا۔ لیکن مجھے تم پر خوف ہے اس منافق عالم سے جو زبان کا عالم ہو۔ بات وہ کرے گا جس کو تم نہیں جانتے ہوگے اور عمل بھی وہ کرے گا جس کو تم نا پسند کرتے ہوگے"۔

((عن ابی عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما اخاف علیکم بعدی مؤمناولا کافرا أما المؤمن فیحبسہ ایمانہ واما الکافر فقد اذلہ اللہ بکفرہ ولکن اخاف علیکم منافقا عالم اللسان جاھل القلب یتکلم بما تعرفون ویفعل ماتنکرون))[2]

[1] الطبرانی فی الاوسط، مجمع الزوائدج:1ص:187 وفیہ الحارث الاعور وھو ضعیف.
[2] مسند الربیع ج:1ص:362 رقم الحدیث:935.

''حضرت ابی عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نہیں ڈرتا تم پر اپنے بعد نہ کسی مومن سے اور نہ کسی کافر سے۔ پس جو مومن ہوگا وہ اپنے ایمان کو بچا کر رکھے گا اور جو کافر ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے کفر کی وجہ سے اس کو ذلیل کردے گا لیکن مجھے خوف ہے تم پر اس منافق عالم سے جو زبان کا تو عالم ہو مگر دل کا جاہل ہو۔ زبان سے بات وہ کرے گا جس کو تم نہیں جانتے ہوگے اور عمل بھی وہ کرے گا جس کو تم نہ جانتے ہوگے (یعنی جس کی دلیل نہ قرآن میں ہوگی نہ سنت میں)''۔

((وعن عمران بن حصين قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اخوف ماأخاف عليكم بعدي كل منافق عليم اللسان))[1]

''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بعد جس بات کا سب سے زیادہ مجھے تمہارے بارے میں ڈر ہے وہ ہر چرب زبان منافق (کے فتنے) کا''۔

((وعن عمر بن الخطاب قال حذرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم كل منافق عليم اللسان))[2]

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں خبردار کردیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چرب زبان منافق سے''۔

((وعن عقبة ابن عامر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اكثر منافقي امتي قراؤها))

[1] رواه الطبراني في الكبير والبزار ورجاله رجال الصحيح، مجمع الزوائدج:1ص:187.

[2] رواه البزار واحمد وابويعلى ورجاله موثقون، مجمع الزوائدج:1ص:187.

”حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے منافقین کی اکثریت علماء(سوء) پر مشتمل ہو گی“۔[1]

((ثم اکثر منافقی ھذہ الامۃ قراؤھا))[2]

”اس امت کے منافقین کی اکثریت علماء(سوء) پر مشتمل ہو گی“

امام عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے جب ہی فرمایا تھا:

ومآافسد الدین الاالملوك

واحبارُسوء ورھبانُھا

”دین میں جو بھی خرابی بھی آتی ہے وہ تین اطراف سے آتی ہے، بادشاہوں کی طرف سے ،علماء سوء کی طرف سے اور بُرے صوفیوں کی طرف سے“۔

امام حسن بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”مسند“ میں، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابِ تاریخ میں، نیز امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ ،امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ اور امام دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((العلماء امناء الرسل علی عباداللہ مالم یخالطوالسلطان ویداخلوا الدنیا،فاذا خالطو السلطان وداخلوا الدنیا فقد خانو الرسل فاحذروھم ،واعتزلوھم(وفی روایۃ)واجتنبوھم))

---

[1] الطبرانی واحد اسانید احمد ثقات اثبات،مجمع الزوائدج:6 ص:229،مسند احمدج:2ص:175، رقم الحدیث:6633،6634.

[2] مسند احمدج:4ص:155.

"علماء اللہ کے بندوں کے درمیان رسولوں کے (ورثے کے) امین ہوتے ہیں، جب تک وہ حاکم کے ساتھ نہ گھلیں ملیں اور دنیا میں نہ گھس پڑیں۔ پس اگر وہ حاکم کے ساتھ شیر وشکر ہوگئے تو بلاشبہ انہوں نے رسولوں سے خیانت کی۔ تو (جو علماء ایسا کریں) تم ان سے خبر دار رہنا اور ان سے علیحدہ ہو جانا (اور ایک روایت میں ہے) ان سے دور رہنا"۔[1]

امام عسکری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الفقھا امناء الرسل، مالم یدخلوا فی الدنیا ویتبعوا السلطان، فاذا فعلوا ذلك فاحذروھم))[2]

"فقہاء رسولوں کے (ورثے کے) امین ہیں جب تک کہ وہ (دنیا کی آلائشوں) میں نہ گھسیں اور حاکم کے پیچھے پیچھے نہ چلیں۔ پس جب وہ ایسا کرنے لگیں تو ان سے بچو"۔

شیخ ابو محمد عاصم المقدسی فک اللہ اسرہٗ فرماتے ہیں:

"ایک موحد بندے کو یہ بات جاننی چاہیے کہ وہ گمراہ علماء جو حکومتوں کا دفاع کرتے رہتے ہیں اور ان کے مال کا دودھ پیتے ہیں، ان کا کیا مقام ہے......... ؟حق کی بات ان لوگوں کے بارے میں یہ ہے کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور ان کے پاس جا کر علم حاصل نہ کیا جائے اور ان سے بالکل فتویٰ طلب نہ کیا جائے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ "علم ہی دین ہے پس آدمی کو دیکھنا چاہیے کہ وہ دین کس سے لے رہا ہے"۔ پس لوگوں پر واجب ہے کہ

---

[1] الطبرانی واحد اسانید احمد ثقات اثبات، مجمع الزوائدج:6ص:229، مسند احمدج:2ص:175، رقم الحدیث:6634،6633.

[2]

وہ انہیں چھوڑ دیں حتیٰ کہ وہ مداہنت اور بادشاہوں اور سلاطین کی بے جاحمایت ترک کردیں اور ان کے لئے جھگڑا کرنا چھوڑ دیں چنانچہ ان تنخواہ داروں کے سامنے صرف دو ہی راستے ہیں:

- یا تو وہ حق کی بات کہیں اور طاغوتوں کی برائیوں اور خامیوں کو لوگوں کے سامنے ظاہر کریں اور یہی اعلیٰ وارفع بات ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ طریقہ اور یہ رستہ تکلیفوں اور اذیتوں سے بھرا ہوا ہے لیکن اس کے آخر میں فوز وفلاح ہے، جنت عدن ہے اوران کے اس عمل میں امت کے لئے نصیحت ہے اور حق کا اظہار ہے۔

- لیکن اگر وہ اس اعلیٰ مرتبہ کو حاصل کرنے میں کمزوری کا اظہار کریں تو کم از کم انہیں چاہیے کہ وہ حکومتوں سے علیحدہ ہو جائیں اور تدلیس وتلبیس (غلط اور شیطانی تاویلات) اور گمراہی کے ذریعے ان کی مدد سے باز آجائیں اور حکمرانوں کے قبیح اعمال کو "شریعت کا جبہ" پہنانے کی کوشش نہ کریں۔

لیکن اگر یہ اپنی پہلی روش پر ہی گامزن رہیں تو ان سے الگ رہنا اور ان کے ساتھ تعامل نہ کرنا اور ان سے کسی قسم کا فتویٰ طلب نہ کرنا، واجب ہے۔ خصوصی طور پر ایسے لوگوں سے "السیاسۃ الشرعیۃ" اور "جہاد فی سبیل اللہ" کے مسائل میں بالکل بھی فتویٰ طلب نہیں کرنا چاہیے۔ یہ کوئی ہماری اختراع نہیں بلکہ سلف وصالحین کا وطیرہ بھی یہی تھا۔ کتنے ہی اقوال ہمیں ملتے ہیں ان کے جو انہوں نے ایسے علماء کے بارے میں کہے جو بادشاہوں سے تحفے تحائف وصول کرتے تھے یا ان کے پاس آتے جاتے تھے، اور کتنا ہی زیادہ کلام اور جرح و تعدیل کی اُس شخص کے بارے میں جو بادشاہ کے پاس جاتا یا اُن کی "ولایت" کا دم بھرتا تھا۔ لیکن سوچئے کون سے بادشاہ و سلاطین؟ حالانکہ ان سلاطین کے جو محض "ظلم" کے مرتکب تھے تو غور کیجئے کہ "سلاطین کفر وشرک والحاد" کا کیا حکم ہوگا؟ چنانچہ ایسے علماء کی اکثریت جو حکومت کے چرنوں میں بیٹھی ہے، یہ بات کسی طرح معقول نہیں کہ ان سے

فتویٰ مانگا جائے یا سوال کیا جائے سیاستِ شرعیہ، یا فوج و پولیس میں بھرتی ہونے سے متعلق یا ان کی اسمبلیوں، پارلیمنٹوں میں جانے سے متعلق؟ ان کے متعلق اب ایک مسلمان کی کم از کم یہ ذمہ داری ہے کہ اس قسم کے فتوے ان سے طلب کرنے کے معاملے میں بچنا چاہیے۔ جبکہ ان کا حکم یہی ہے کہ جو ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے کہ ان سے دور رہا جائے بلکہ ان کے (علمی) حلقوں سے بھی علیحدگی اختیار کی جائے تاکہ وہ کم از کم حکومتوں سے دور رہیں"۔[1]

انبیاء کے ورثے کے خائن علماء سوء کا حکم:

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ انبیاء کے ورثے کے خائن علماء سوء کے حکم کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وَمَتٰی تَرَكَ الْعَالِمُ مَا عَلِمَهُ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَ سُنَّةِ رَسُوْلِهٖ صلی اللہ علیہ وسلم وَاتَّبَعَ حُكْمَ الْحَاكِمِ الْمُخَالِفِ لِحُكْمِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ كَانَ مُرْتَدًّا كَافِرًا يَسْتَحِقُّ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ''[2]

''جب ایک عالم دین کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہوئے بھی برحق موقف ترک کر دے اور حاکم وقت کے ایسے (کفریہ) حکم کی پیروی کرنے لگ جائے جو حکم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے صریحاً خلاف ہو۔ ایسا عالم دین مرتد اور کافر ہو جاتا ہے اور دنیا و آخرت (دونوں) میں سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے''۔

چنانچہ انبیاء و رسل کے ایسے ناخلف جانشین علماء سوء پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی لعنت کی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف جہاد کا حکم دیا:

---

[1] بحوالہ الکواشف الجلیہ: للشیخ ابو محمد المقدسی۔

[2] مجموع الفتاوی: 372،373/35.

((عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ لما وقعت بنو اسرائيل فی المعاصی نهتهم علماؤهم فلم ينتهوا، فجالسوهم فی مجالسهم وواكلوهم وشاربوهم، فضرب الله قلوب بعضهم ببعض، ولعنهم ﴿على لسان داود وعيسىٰ ابن مريم ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون﴾، فجلس رسول الله ﷺ، وكان متكئاً فقال لا والذی نفسی بيده! حتىٰ تأطروهم على الحق اطراً))[1]

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بنو اسرائیل گناہوں میں مبتلاء ہو گئے تو ان کے علماء نے روکا، لیکن وہ باز نہیں آئے۔ پس وہ علماء بھی ان کی مجلسوں میں بیٹھنے لگ گئے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے۔ پس اللہ نے ان کے دلوں کو یکساں کر دیا اور ان پر حضرت داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبانی لعنت فرمائی، یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ زیادتی کرنے والے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے جب کہ (اس سے پہلے) آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے اور فرمایا، نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! (تمہاری نجات نہیں) یہاں تک کہ تم انہیں حق کی طرف موڑ دو''۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مامن نبی بعثه الله تعالىٰ فی امة قبلی الا كان له من امته حواريون واصحاب يأخذون بسنته ويقتدون بامره۔ ثم انها تخلف من بعدهم خلوف يقولون مالا يفعلون، ويفعلون مالا يؤمرون، فمن جاهدهم

[1] جامع ترمذی، ج:10ص:310، رقم:2973.

بیدہ فھو مؤمن، ومن جاھدھم بلسانہ فھومؤمن، ومن جاھدھم بقلبہ فھومؤمن، ولیس وراءذلك من الایمان حبۃ خردل)) [1]

"مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس امت میں کسی نبی کو مبعوث فرمایا تو اس کی امت میں اس کے حواری اور اصحاب ہوتے تھے۔ وہ اپنے نبی کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھتے تھے اور نبی علیہ السلام کا جو بھی حکم ہوتا تھا اس کی پیروی کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد ان کے ایسے جانشین (وارثین) آتے تھے جو نالائق اور ناخلف ہوتے تھے۔ "یقولون مالا یفعلون "وہ کہتے وہ تھے جو کرتے نہیں اور "یفعلون مالا یؤمرون" کرتے وہ تھے جس کا ان کو حکم نہیں تھا۔ جو کوئی ان سے جہاد کرے گا ہاتھ سے پس وہ مومن ہے، اور جو کوئی ان سے جہاد کرے گا اپنی زبان سے پس وہ مومن ہے، اور جو ان سے جہاد کرے گا اپنے دل سے پس وہ مومن ہے اور (جو کوئی یہ بھی نہ کرے تو وہ جان لے کہ) اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں رہتا"۔

امام ابو بکر الجصاص الحنفی رحمۃ اللہ علیہ ایسے علماء کے بارے میں فرماتے ہیں:

"پس یہ علماء (سوء) اس امت کے حق میں اُن کھلے دشمنوں سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوئے ہیں، کیونکہ انہوں نے امت کو باغی گروہ کے خلاف قتال اور بادشاہوں کے ظلم و جبر پر انکار سے روک دیا ہے۔ ان کے اس باطل مؤقف کے نتیجے میں فساق وفجار غالب آئے ، مجوس اور دیگر دشمنان اسلام کے تسلط کی راہ ہموار ہوئی، اسلامی سرحدات پامال ہوئیں، ظلم پھیل گیا، بستیاں برباد ہوئیں، دین و دنیا لٹ گئے اور زندقہ اور غلو غالب آ گیا"۔ [2]

---

[1] صحیح مسلم ،ج:1ص:52.

[2] احکام القرآن :34/2.

اس مسئلہ میں عرب کے مشہور عالم فضیلۃ الشیخ عبد الرحمن الدوسری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں وضاحت فرمائی ہے۔علامہ عبد الرحمن الدوسری رحمۃ اللہ علیہ فرمان باری تعالیٰ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے عبودیت کے مراتب کا تذکرہ کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

فَالْعَابِدُ لِلّٰهِ الْمُصَمِّمِ عَلَى الْجِهَادِ يَكُوْنُ مُنَفِّذًا لِلغِيْلَةِ فِيْ أَئِمَّةِ الْكُفْرِ مِنْ دَعَاةِ الْاِلْحَادِ وَالْاِبَاحِيَةِ ، وَ كُلِ طاعِنٍ فِي وَحْيِ اللّٰهِ أَوْ مُسَخِّرٍ قَلَمَهُ أَوْ دِعَايَتِهِ ضِدَّ الدِّيْنِ الْحَنِيْفِ لِاَنَّ هَذَا مُؤذٍ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ﷺ لَا يَجُوْزُ لِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْ بُقَاعِ الْاَرْضِ مِنْ خُصُوْصٍ وَ عُمُوْمٍ أَنْ يَّدَعُوْهُ عَلٰى قَيْدِ الْحَيَاةِ لِاَنَّهُ أَضَرُّ مِنَ ابْنِ أَبِي الْحَقِيْقِ مِمَّنْ نَدَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَى اغْتِيَالِهِمْ ، فَتَرْكُ اغْتَالِ وَرَثَتِهِمْ فِي هَذَا الزَّمَانِ تَعْطِيْلٌ لِوَصِيَّةِ الْمُصْطَفٰى ﷺ وَ اخْلَالٌ فَظِيْعٌ بِعُبُوْدِيَةِ اللّٰهِ وَ سَمَاحٌ صَارِخٌ شَنِيْعٌ لِلمَعَاوِلِ الْهَدَّامَةِ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ ، وَلَا يَفْسُرُ صُدُوْرُهُ اِلَّا مِنْ عَدَمِ الْغَيْرَةِ لِدِيْنِ اللّٰهِ وَالْغَضَبِ لَوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ ، وَ ذَالِكَ نَقُصٌ عَظِيْمٌ فِي حُبَّ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ وَ تَعْظِيْمِهَا لَا يَصْدُرُ مِنْ مُحَقِّقٍ لِعُبُوْدِيَةِ اللّٰهِ بِمَعْنَاهَا الصَّحِيْحِ الْمَطْلُوْبِ'' [1]

''یہ بات بھی یاد رہے کہ صحیح معنی میں اللہ کی عبادت کرنے والا(اور)جہاد فی سبیل اللہ کا پختہ ارادہ رکھنے والا کفر کے بڑے بڑے اماموں کو دھوکے کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔وہ آئمۃ الکفر (کفر کے امام) جو کہ لوگوں کو کفر والحاد، آزاد خیالی اور لادینیت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ان کو بری چیزوں پر لگانا چاہتے ہیں۔کفر کے سرداروں کے علاوہ ہر ایسے شخص کو (چاہے وہ کوئی بھی ہو) اچانک دھوکے کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارنا بھی ضروری سمجھتا ہے جو اللہ کی وحی میں طعن و تشنیع کرنے والا، اپنے قلم وکاغذ کو دین اسلام کے خلاف استعمال کرنے والا اور دین حنیف کے خلاف آواز بلند

---

[1] صفوۃ الآثار والمفاہیم من تفسیر القرآن العظیم للشیخ الدوسری: 268/1.

کرنے والا ہو۔ ایسے لوگوں کو ختم کرنا اس لیے ضروری ہے کہ یہ لوگ بھی کعب بن اشرف اور ابو رافع وغیرہ کی طرح اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اذیت پہنچانے والے ہیں۔ اللہ کی سرزمین کے مختلف خطوں میں سے کسی بھی خطے میں بسنے والے عام وخاص مسلمانوں کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ ان کو زندہ رہنے کے لیے چھوڑ دیں۔ اس لیے کہ ایسے لوگ ابن ابی الحقیق جیسے شخص سے بھی زیادہ خطرناک ہیں اور ابن ابی الحقیق ان لوگوں میں سے ایک شخص تھا جس کو اچانک دھوکے کے ساتھ قتل کرنے کے لیے خود رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے چھاپہ مار ٹیمیں روانہ کی تھیں۔ ابن ابی الحقیق وغیرہ کے وارثوں اور ان کی ناجائز ذرّیت کو موجودہ دور میں کچھ نہ کہنا اور زندہ رہنے دینا گویا محمد مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وصیت کو معطل اور ختم کرنے، اللہ کی عبادت کے متعلق انتہائی قابل نفرت بگاڑ پیدا کرنے والی بات ہے اور یہ ایسا مکروہ ''درگزر'' ہے جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ ہم دین الٰہی کو ڈھانے والی کدالوں کو سر اٹھانے کی گویا دعوت دے رہے ہیں۔ بہر حال جس کے دل میں اللہ کے دین کی غیرت موجود ہو اس سے تو اس قسم کی امید نہیں کی جا سکتی البتہ وہ جو غضب الٰہی کا مستحق ہے۔ یہ بھی یاد رکھیے کہ دین اسلام کے بارے اس طرح کا نرم اور لچکدار معاملہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور اقرار عظمت کے بارے میں بڑے نقص کی آئینہ دار ہیں۔ جو صحیح معنی میں اللہ کی عبادت کو ثابت کرنے والا ہو اس شخص سے اس طرح کا نرم ولچکدار معاملہ صادر نہیں ہو سکتا''۔

آئمۃ المضلین سے اعلان بیزاری ہر مسلمان پر لازم:

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس بات سے امت کو پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ قرب قیامت ایسے فساق علمائے علماء سوء کا مساجد کے منبروں پر قبضہ ہو جائے گا جو میراحق تشریع امت کے بدترین لوگوں کو تفویض کریں گے:

((والقراء فسقة . . . . وعلت اصوات الفسقة فی المساجد))[1]

"(امت) کے علماء فاسق ہوں گے........اور مسجدوں سے فاسقوں کی آوازیں بلند ہوں گی"۔

اور ان علماء سوء کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ:

((ویقوم الخطباء بالکذب فیجعلون حقی لشرار امتی، فمن صدقهم بذالك ورضی به لم یرح رائحة الجنة))[2]

"(مساجد میں)خطیب و مقرر جھوٹ بکیں گے، حتیٰ کہ میرا حق (منصب تشریع) میری امت کے بدترین لوگوں کے لئے تجویز کریں گے، پس جس نے ان (علماء سوء کے فیصلے) کی تصدیق کی اور ان کی تحقیقات پر راضی ہوا، اسے جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہو گی"۔

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَناً قَلِيلاً فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ﴾[3]

"ان لوگوں کے لئے بربادی ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب (یعنی احکامات) لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ اس کے عوض تھوڑی سے قیمت وصول کرلیں ۔اُن کے ہاتھوں کا یہ لکھنا بھی ان کے لئے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی ان کے لئے موجبِ ہلاکت ہے"۔

---

[1] الدرر المنثور، ج:6ص:52عن حذیفة رضی اللہ عنہ.

[2] ابن ابی الدنیا ،طبرانی،ابونصر السجزی فی الابانة،ابن عساکر ،ولابأس سنده،کنز العمال،ج:14ص:245رقم:38577.

[3] البقرة:79.

علماء حق کی پہچان:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء سوء سے بچنے کی تلقین کی ہے وہاں علماء حق کی کیا پہچان بتائی ہے؟ علماء حق کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ حق کو چھپانے والے نہیں ہوتے اور وقت کے حکمرانوں کا ظلم و ستم ان کو راہ حق سے نہ ہٹا پاتا بلکہ وہ اس کے سامنے علی الاعلان کلمۂ حق یعنی سب سے افضل جہاد کرنے والے ہوں گے۔

((افضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر))[1]

"ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا بہترین جہاد ہے"۔

((ای الجهاد افضل؟قال كلمة حق عند سلطان جائر))[2]

"(کسی نے پوچھا) افضل جہاد کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظالم بادشاہ کے سامنے حق کی بات کرنا"۔

سوچنے کی بات ہے کہ جب "ظالم" حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا افضل جہاد ہے تو "آئمۃ الکفر" کے سامنے کلمۂ حق کہنا کتنا عظیم ترین جہاد ہو گا۔ اس ضمن میں یہاں دو چیزوں کی وضاحت ضروری ہے۔ اول یہ کہ یہاں کلمۂ حق سے مراد کیا ہے؟ علماء فرماتے ہیں کہ یہاں کلمۂ حق سے مراد ایسا کلمہ یا ایسی بات جس کے کہنے والے کو قتل و قید یا اس سے بڑی مصیبتوں کے سامنے کا اندیشہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ عوام میں تو بلند و بانگ تقریریں ہوں مگر حکمرانوں کے سامنے بیٹھ کر ایک چائے کی پیالی میں ہی اپنا ایمان ڈبو دیں۔ اس کی مزید وضاحت اس حدیث سے بھی ہو جاتی ہے:

---

[1] ابوداؤد والترمذی۔ قال حدیث حسن.

[2] سنن النسائی باسنادہ صحیح.

((وعن جابر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال سید الشهداء حمزة بن عبد المطلب ورجل قال الی امام جائر فأمره ونهاه فقتله)) [1]

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہداء کے سردار حضرت حمزہ بن عبد المطلب (رضی اللہ عنہ) ہیں اور دوسرا وہ شخص جو کہ ظالم حکمران کے سامنے کھڑا ہو کر یہ کہے کہ ''یہ کرو اور یہ نہ کرو'' پس اس بنیاد پر قتل کر دیا جائے''۔

دو فتنوں کا ظہور:

موجودہ دور میں وہ مبلغین جو طاغوتی حکمرانوں کو مسلمانوں پر ''ولایت'' (یعنی حکمرانی) کو ''سندِ جواز'' عطا کرتے ہیں۔ ان کی شخصیت کے اندر ایک عجیب دورُخہ پن جس پر احادیث مبارکہ میں سخت وعیدیں آئیں ہیں، کا ظہور ہو جاتا ہے۔ ایک طرف وہ عامۃ المسلمین کے لئے ''خارجی'' مزاج کی حامل شخصیت بن جاتے ہیں اور دوسری طرف وہ طاغوتی اور اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف حکومت کرنے والے حکمرانوں کے لئے ''مرجئہ'' مزاج کے شخصیت کا کردار ادا کرتے ہیں۔

اب یہ سوال خود بخود بعض لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوا ہوگا کہ یہ ''مرجئہ'' کون ہیں اور ان کا عقیدہ کیا ہے؟ اس کی وضاحت یہ ہے کہ جس طرح خوارج نے افعالِ معصیت پر جن سے بحرحال گناہ اور فسق ہی لازم آتا ہے، لوگوں کو کافر قرار دینا شروع کر دیا تھا۔ جبکہ ''مرجئہ'' دوسری انتہا کو گئے کہ انہوں نے یہ کہا کہ ایک شخص نے اگر کلمہ کا اقرار کر لیا تو اس کے بعد چاہے وہ کتنا ہی افعالِ کفر و شرک کا ارتکاب کرتا رہے، بس دل میں اس کو صحیح نہ سمجھے اور زبان سے اس کو حلال کہنے کی بھی حماقت نہ

[1] رواه الترمذی والحاكم وقال صحيح الاسناد. الترغيب والترهيب، ج:3ص158رقم الحديث3483.

کرے تو وہ مسلمان اور موحد ہی گنا جائے گا، یعنی کفر اور شرک کے افعال بھی عام گناہوں کی طرح ایک گناہ ہیں اور محض ان کے عملی ارتکاب سے کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا۔

اصولی طور پر یہ دونوں گمراہیاں اس مسئلہ پر آن کر ایک ہو جاتی ہیں کہ ''کفریہ اعمال'' اور ''عام گناہوں'' میں کوئی فرق نہیں! جبکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک ان میں واضح فرق ہے، جن افعال کو شریعت نے صرف ''گناہ'' اور ''فسق'' کہا ہے ان پر ارتکاب سے آدمی ''فاسق'' ہی ہو گا اور جن افعال کو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کفر یا شرک کہیں، ان پر اصرار کرنے سے وہ ''کافر'' اور '' مشرک'' ٹھہرتا ہے۔

پس ان دلائل و برھان کے باوجود جو کوئی اپنے زبان و قلم کے ذریعے الحکم بغیر ما انزل اللہ کے حکومت کرنے والے اور مسلمانوں کے قتل عام اور ان کا مال و متاع برباد کرنے کے لئے یہود نصاریٰ کا ساتھ دینے والے افعال کفر وارتداد کے مرتکب حکمرانوں کے اسلام کا دم بھرے، ان کا حق ولایت ''تسلیم'' کرے اور ان خلاف اٹھنے والے لوگوں کو قابل گرفت اور قابل گردن زنی سمجھے تو اس بات کا شدید اندیشہ ہے کہ وہ امت مسلمہ اور دین اسلام کی جڑوں کو دیمک کی طرح چاٹنے والے دو عظیم فتنوں میں سے کسی ایک یا دونوں کا شکار ہو جائے۔ وہ دو فتنے ہیں، ''فتنہ خوارج'' اور ''فتنہ مرجئہ''۔

فتنۂ مرجئہ:

''مرجئہ'' وہ تھے جنہوں نے کہا کہ جو شخص بھی کلمہ پڑھ لے پھر اس کے بعد چاہے اس سے جو بھی افعال کفر وارتداد کا ظہور ہو بس دل میں اس کو اچھا نہ جانے، وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو گا۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ مرجئہ کے ان عقائد کے نتائج سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''انہوں نے ہر فاسق اور ڈاکو کو تباہ کن گناہوں پر جری کر دیا۔ ہم اس خذلان سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔''

امام سفیان الثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مرجئہ نے اسلام کو باریک کپڑے سے بھی زیادہ رکیک بنادیا"۔

قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ مرجئہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"وہ (مرجئہ) خبیث ترین لوگ ہیں حالانکہ خباثت میں رافضہ کافی ہیں لیکن مرجئہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں"۔

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہاہے کہ:

"ازارقہ کے فتنہ سے زیادہ مرجئہ کا فتنہ اس امت کیلئے خطرناک ہے"۔ [1]

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے نضر بن شمیل رحمۃ اللہ علیہ کا کیا ہی خوبصورت قول نقل کیاہے:

"یہ وہ دین ہے جو بادشاہوں کو پسند ہو۔ وہ اس کے ذریعے دنیا کماتے ہیں اور اپنے دین کو ناکارہ کر دیتے ہیں"۔

اصل بات یہ ہے کہ دلوں کا احوال اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں اور ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے معلوم کیاجائے کہ افعال کفروارتداد کرنے والا دل سے اس کو صحیح سمجھتا ہے یا نہیں۔ ہمارے لئے تو یہ حکم ہے کہ ہم انسان کے ظاہری اعمال پر فیصلہ کریں۔ اسی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اصول اہل ایمان کے لئے بیان فرمایا:

((وعن عبد الله بن عتبه بن مسعود قال:سمعت عمر بن الخطاب رضي الله عنه يقول:ان ناساً كانوا يؤخذون بالوحى فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وان

[1] كتاب السنة عبدالله بن احمد 313/1.

الوحی قدانطقع ، وانما نأخذکم الآن بما ظھر لنا من اعمالکم، فمن اظھرلنا خیراً امناہ وقربناہ ، ولیس لنا من سریرتہٖ شیئ،اللہ یحاسبہ فی سریرتہٖ، ومن اظھرلنا سوء،لم نأمنہ، ولم نصدقہ وان قال:سریرتۂ حسنۃ)) [1]

"حضرت عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کا مواخذہ وحی کے ذریعے ہو جاتا تھا لیکن اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اب تو ہم ظاہری اعمال پر مواخذہ کریں گے۔ جس آدمی کے ہمارے سامنے اچھے اعمال ظاہر ہوں گے تو ہم اس کو امن دیں گے اور اپنے قریب کریں گے اور ہمیں اس کے پوشیدہ اعمال سے کچھ واسطہ نہیں۔اس کے پوشیدہ اعمال کا محاسبہ اس سے اللہ کرے گا اور جو شخص ہمارے سامنے ظاہر اًبرے اعمال کرے گا تو ہم اسے نہ امن دیں گے اور نہ اس کی بات مانیں گے اگرچہ وہ کہے کہ اس کی باطنی کیفیت اچھی ہے"۔

لیکن جو پھر بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرے اور انہی مرجئہ عقائد پر یقین رکھے تو وہ جان لے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرجئہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہ ہو گا اور وہ میری امت کے یہودیوں کی مانند ہیں اور وہ جنت میں داخل نہ ہو سکیں گے:

((وعن سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صنفان من امتی لیس لھما فی الاسلام نصیب المرجئۃ والقدریۃ)) [2]

---

[1] صحیح البخاری،ج:9ص:118رقم:2447۔کنزالعمال،ج:5ص:685رقم14198۔

[2] الطبرانی،مجمع الزوائدج:7ص:206۔

’’حضرت سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے دو گروہ ایسے ہوں گے جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہوگا مرجئہ اور قدریہ‘‘۔

((وعن سهل بن سعد الساعدی قال قال رسول الله لكل أمة مجوس ولكل أمة نصاریٰ ولكل أمة زفر، وان مجوس امتی القدرية ونصاراهم الحشوية ويهودهم المرجئة))[1]

’’حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر امت میں مجوسی طبقہ ہوتا ہے اور ہر امت میں نصاریٰ کا طبقہ ہوتا ہے اور ہر امت میں زفر کا طبقہ ہوتا ہے اور میری امت کے مجوسی طبقہ قدریہ ہیں اور نصاریٰ کا طبقہ حشویہ ہیں اور یہودیوں کا طبقہ مرجئہ ہیں‘‘۔

((وعن انس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم القدرية والمرجئة مجوس هذه الامة فان مرضوا فلاتعودوهم وان ماتوا فلا تشهدوهم))[2]

’’حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قدریہ اور مرجئہ اس امت کے مجوسی ہیں۔ پس اگر یہ بیمار پڑ جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر مر جائیں تو ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھو‘‘۔

((الا وان الله قد لعن القدرية والمرجئة على لسان سبعين نبيا))[3]

---

[1] الطبرانی فی الاوسط وفيه يحی بن سابق وهو ضعيف، مجمع الزوائدج: 7ص: 207.

[2] رواه الطبرانی فی الاوسط ورجاله رجال هارون بن موسیٰ الفروی وهو ثقة، مجمع الزوائدج: 7ص: 205

[3] رواه الطبرانی وفيه بقية بن الوليد وهولين ويزيد بن حصين لم اعرفه، مجمع الزوائدج: 7ص: 204.

"آگاہ ہو جاؤ! بے شک اللہ نے لعنت فرمائی ستر انبیاء کی زبانی قدریہ پر اور مرجئہ پر"

((وعن انس بن مالك قال قال رسول اللهﷺصنفان من امتى لايردان على الحوض ولا يدخلان الجنة،القدرية والمرجئة))[1]

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے دو گروہ حوضِ کوثر پر نہ آسکیں گے اور نہ جنت میں داخل ہو سکیں گے، قدریہ اور مرجئہ"۔

فتنۂ خوارج:

اور "خوارج" وہ تھے کہ جنہوں نے ظاہراً تو عام مسلمانوں کو افعال معصیت پر ہی کافر قرار دے کر ان کی عورتوں کو اور ان کے مال و متاع اپنے اوپر حلال کر لیا تھا لیکن در حقیقت ان کی ہمدردیاں کفار و مشرکین کے ساتھ تھی۔ آج بھی کیفیت یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے لیے تو افعال معصیت پر جہنم کی وعیدیں ہیں اور ان کو کافر و مشرک ٹھہرانے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا، لیکن کفار و مشرکین کے معاون حکمرانوں کے کفر وارتداد کے باوجود ان کے ایمان کی سلامتی کی بشارتیں ہیں اور ان کی ولایت کے "تسلیم" کرنے اور ان کے مدمقابل کھڑے ہونے والے اہل ایمان کے لیے خارجی اور گمراہ ہونے کے فتوے۔ شاید ایسے ہی لوگوں کے بارے میں جو اہل ایمان کے قتل عام کو مباح سمجھیں یا اس میں معاونت کریں اور کفار و مشرکین کو اپنے ہاں دعوت دیں اور ان سے وفاداری نبھائیں اور وہ شخص بھی جو ان کے اس افعال کا زبان و قلم سے ساتھ دے، ان کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

[1] الطبرانی فی الاوسط رجاله رجال هارون بن موسى الفروى وهو ثقة، مجمع الزوائد ج:2 ص:207.

((یقرؤون القران ،لایجاوزحناجرھم ،یمرقون من الاسلام مروق السھم من الرمیة ،یقتلون اھل الاسلام ،ویدعون اھل الاوثان،لئن ادرکتھم لاقتلنھم قتل عاد(وفی روایة)قتل ثمود))

"وہ قرآن بڑی خوش الحانی سے پڑھنے والے ہوں گے، مگر وہ ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا،اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے ،(بسبب اس بات کہ)اہل اسلام کو بے دریغ قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے ،اگر میں نے اُن کو پالیا تواُن کو ایسے قتل کروں گا جیسے قوم عاد کو(اور ایک روایت میں ہے کہ جیسے قوم ثمود کو) قتل کیا گیا"۔[1]

اور رسول اللہ ﷺ نے اسی قبیل کے لوگوں کے بارے میں خبر دار کیا تھا کہ یہ خروج دجال تک آتے رہیں گے اور ان کا آخری گروہ دجال کے ساتھ نکلے گا:

((وعن عبد اللہ بن عمر قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول انه کائن قوم یقرؤون القرآن لا یجاوز تراقیھم کلما طلع منھم قرن قطع حتی ذکر عشرین مرة وزیادة حتی یکون آخرھم مع الدجال))[2]

"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:ایک قوم ایسی ہو گی جو قرآن پڑھیں گے اور وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور جب ان میں سے کوئی جماعت نمودار ہو گی،کاٹ دی جائے گی۔ یہاں تک کہ

[1] صحیح البخاری،کتاب بداء الوحی،ج:6ص:2702.

[2] رواہ الطبرانی وفیہ لیث بن ابی سلیم وھو مدلس،مجمع الزوائد ج:6ص:230.

آپ ﷺ نے بیس مرتبہ اس بات کا ذکر کیا یا اس سے بھی زیادہ اور پھر فرمایا: یہاں تک کہ ان کی آخری جماعت دجال کے ساتھ نکلے گی"۔

((وعنه قال سمعت رسول الله ﷺ يقول يخرج ناس من قبل المشرق يقرؤون القرآن لايجاوز تراقيهم كلما قطع قرن نشأ قرن حتى يكون مع بقيتهم الدجال)) [1]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ایک قوم ایسی ہو گی جو مشرق سے نکلیں گے وہ قرآن پڑھیں گے اور وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور جب ان میں سے کوئی جماعت نمودار ہو گی، کاٹ دی جائے گی۔ یہاں تک کہ ان کی آخری جماعت دجال کے ساتھ نکلے گی"۔

اور جو کوئی ان اہل ایمان کے دشمنوں اور کفار و مشرکین کے وفاداروں سے قتال کرے اس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے یوں بشارت دی:

((فاذا لقيتموهم فاقتلوهم، فان في قتلهم اجراً لمن قتلهم عند الله يوم القيامة)) [2]

"پس یہ جہاں بھی تمہیں ملیں ان کو قتل کرو کیونکہ جس نے ان کو قتل کیا اس کے لیے قیامت کے دن اجر ہو گا"۔

((فطوبى لمن قتلهم وطوبى لمن قتلوه)) [1]

---

[1] رواه الطبراني واسناده حسن، مجمع الزوائد ج:6 ص:230.

[2] صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن، باب اثم من رأى بقراءة القرآن أو تأكل به.

خوشخبری ہے جو ان کو قتل کرے اور جو ان کے ہاتھوں قتل ہو"۔

عصر حاضر میں طواغیت کے خلاف قتال "فرضِ عین" ہونے کے اسباب:

اب جبکہ یہ بات معمولی عقل و فہم رکھنے والا شخص سے بھی مخفی نہیں رہی ہے کہ امت مسلمہ اس وقت اُن کلمہ گو طواغیت کی غلامی میں زندگی بسر کر رہی ہے جو کہ خود ایک عالمگیر طاغوتی و دجالی نظام کے پیروکار اور نمک خوار ہیں۔ چناچہ سلف وصالحین اس بات پر متفق ہیں کہ جو گروہ بھی بغیر ما انزل اللہ کے ساتھ حکومت کرے اور دین اسلام کے مقابلے میں اپنا ایک نظام اور اس کے مطابق قوانین وضع کرے اور وہ ہو بھی اتنا طاقتور کہ وہ اپنی ایک فوج رکھتا ہو تو اس کے خلاف "قتال" فرضِ عین ہو جاتا ہے۔

لہٰذا عصر حاضر میں بلاد اسلامیہ پر مسلط طواغیت کے خلاف، اور وہ عالمگیر طاغوتی نظام جس کے وہ تابعدار ہیں، اس کے انہدام کے لئے قتال امت مسلمہ پر ان کی دو صفات کی بنیاد پر "فرض عین" ہو گیا ہے۔ وہ دو صفات یا اسباب درج ذیل ہیں:

❶ طائفہ ممتنعہ

❷ عدوّ صائل

(ا) طائفہ ممتنعہ:

[1] مسند احمد ، مجمع الزوائد ج:6ص:229.

شرعی اصطلاح میں اس مراد وہ گروہ ہے جو کہ ''ضروریات دین''میں سے کسی ایک کا بھی انکاری ہو یا کسی حرام کام کے ارتکاب پر مصر ہو اور ساتھ ہی وہ اتنی قوت و شوکت بھی رکھتا ہو کہ باقاعدہ جنگ کئے بغیر اسے ان شرعی احکامات کے پابندی پر مجبور نہ کیا جاسکے۔ علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ ایسے گروہوں کے خلاف قتال کرنا واجب ہے، یہاں تک کہ وہ فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب کی پابندی قبول کرلیں۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ''طائفہ ممتنعہ''کی سزا کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''الطائفة الممتنعة كالتى لايقدر عليها الا بقتال، فأصل هذا هو جهاد الكفار أعداء الله ورسوله فكل من بلغته دعوة رسول الله ﷺ الى دين الله الذى بعثه به فلم يستجب له فانه يجب قتاله حتى لاتكون فتنة ويكون الدين كله لله''۔ [1]

''طائفہ ممتنعہ یعنی وہ گروہ ہے جس کے خلاف قتال کئے بغیر اس پر قدرت پانا ممکن نہ ہو ۔ ایسے گروہ کے خلاف قتال کا حکم کفار کے خلاف جہاد کے شرعی حکم ہی پر مبنی ہے، کیونکہ ہر وہ شخص جس تک رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی دعوت پہنچ جائے اور وہ اُسے (جزوی یا کلیۃً) قبول نہ کرے تو اس کے خلاف قتال واجب ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ ہی کے لئے خالص ہو جائے''۔

(۲) عدوّ صائل:

[1] مجموع الفتاویٰ :349/28.

شریعت کی اصطلاح میں اس مراد وہ دشمن ہے جو کہ اُن "ضروریات خمسہ"(پانچ بنیادی ضروریات) پر حملہ آور ہو جائے جس کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو نازل فرمایا ہے۔ ضروریات خمسہ پانچ ہیں:

1. دین
2. جان
3. عزت / نسل
4. عقل
5. مال

"ضروریات خمسہ" ایک شرعی اصطلاح ہے جس کو فقہاء کرام نے احادیث مبارکہ کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے "ضروریات خمسہ" کے دفاع میں مارے جانے والے کو شہید قرار دیا ہے:

((من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهوشهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد))[1]

---

[1] النسائی، ج:12ص:465رقم:4027۔ مسنداحمد، ج:4ص:76رقم:1565۔ وابوداود، ج:12ص:388رقم:4142۔ الترمذی، ج:5ص:315رقم:1341 وقال الترمذی: حديث حسن صحيح.

''جو شخص اپنے مال کے دفاع کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، جو اپنے دین کا تحفظ کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، جو اپنا جان بچاتے ہوئے مار گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے اہل خانہ کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ بھی شہید ہے''۔

درج بالا حدیث میں چار چیزوں کا ذکر ہے جبکہ ایک اور حدیث میں پانچویں چیز کا ذکر یوں ہے:

((من قتل دون مظلمته فهو شهيد))[1]

''جو شخص اپنے حق کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے''۔

ضروریاتِ دین میں فقہاء کرام کی قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کردہ ترتیب کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس ترتیب کے مطابق دین کی حفاظت جان، عزت، عقل اور مال سب پر مقدم ہے۔ اس لئے اگر دشمن حملہ آور ہو جائے اور دین داؤں پر لگ جائے تو شریعت یہی حکم دیتی ہے کہ دفاع دین کی خاطر اپنا سب کچھ، حتیٰ کہ اپنی جان تک قربان کر دی جائے، اور یہ تجزیہ اور بحث و مباحثہ کرنے میں وقت نہ ضائع کیا جائے کہ قتال کرنے سے فائدہ زیادہ ہو گا یا نقصان، کیونکہ اسلام کی نگاہ میں دین کے نقصان سے بڑا اور کوئی نقصان نہیں۔ اسی ترتیب کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے کہ ''عدوّ صائل'' کے خلاف دفاعی جہاد فرض عین نہیں بلکہ ''اہم ترین فرض عین'' ہے۔

عصر حاضر کے طواغیت بطور طائفہ ممتنعہ:

امت مسلمہ پر مسلط عصر حاضر کے طواغیت نہ صرف اکثر ''ضروریات دین'' اور محرمات کی حرمت کے انکاری ہیں بلکہ انہوں نے عالمگیر طاغوتی نظام کے اصول و ضوابط کے مطابق اپنا اپنا ایک نظام وضع کیا ہوا ہے اور ان کے ساتھ ایک اپنی قوت نافذہ افواج کی شکل میں موجود ہے اور اگر ان

---

[1] سنن النسائی، ج:12، ص:461 رقم:4025۔ مسند احمد، ج:6 ص:175 رقم:2643۔

افواج کی ناکامی کی صورت میں ان طواغیت یا ان کے نظام حکومت کو خطرہ لاحق ہو جائے تو پھر وہ عالمگیر طاغوتی نظام جس کے چارٹر کے آگے ان طواغیت نے سر تسلیم خم کیا ہوا ہے، اپنی ''امن افواج'' کو ''قیام امن'' کے نام پر حرکت میں لے آتا ہے۔ چناچہ یہ طواغیت ان وجوہات کی بناء پر ''طائفہ ممتنعہ'' کی صورت اختیار کر چکے ہیں اور ان کے خلاف قتال ''فرض عین'' ہو چکا ہے۔

لیکن مفتی صاحب جن کو عصر حاضر کے طواغیت کی اطاعت ''تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا ، ان کے والد محترم جناب مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ، سورۃ المائدۃ کی آیت ۵۴ کی روشنی میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے احکامات کا انکار کرنے والوں کے خلاف قتال کے حوالے سے سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک خطبہ کو نقل کرتے ہیں:

''جو لوگ مسلمان ہونے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دئے ہوئے احکام و قوانین اور قانونِ اسلام کا انکار کریں، تو میرا فرض ہے کہ میں ان کے خلاف جہاد کروں، اگر میرا مقابلہ پر وہ تمام جن وانس اور دنیا کے شجر و حجر سب کو جمع کر لائیں، اور کوئی میرا ساتھی نہ ہو، تب بھی میں تنہا اپنی گردن سے اس جہاد کو انجام دوں گا۔''[1]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''الأمر عندنا أن كل من منع فريضة من فرائض الله فلم يستطع المسلمون أخذها كان حقا عليهم جهاده حتى يأخذوها منه''[2]

''ہمارے نزدیک یہ ایک ثابت شدہ شرعی حکم ہے جو شخص بھی اللہ عزوجل کے فرض کردہ امور میں سے کسی فرض کی ادائیگی روک دے اور (وہ ہو بھی اتنا صاحبِ قوت وشوکت

[1] معارف القرآن، جلد سوم، ص176.

[2] موطاامام مالك رحمۃ اللہ علیہ، 3809/2.

کہ) مسلمان اسے اس فرض کی بجا آوری کا پابند نہ کر پائیں، تو اس سے جہاد کرنا ان سب پر واجب ہو گا (نہ یہ کہ اس کی اطاعت "تسلیم" کر لی جائے) یہاں تک کہ اس سے زبردستی وہ شرعی حق وصول کر لیا جائے"۔

امام ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''فقد اتفقت الأمة على أن من يفعل المعصية يحارب، كما لو اتفق أهل بلد على العمل بالربا وعلى ترك الجمعة الجماعة''[1]

"پوری امت اس بات پر متفق ہے کہ جو (طائفہ ممتنعہ) بھی معصیت پر اصرار کرے، اس کے خلاف جنگ کی جائے گی (تو پھر کفر پر کیا معاملہ ہو گا) مثلاً اگر کسی علاقے والے سودی لین دین کرنے یا نمازِ جمعہ اور باجماعت نماز ترک کرنے پر متفق ہو جائیں (تو ان کے خلاف جنگ کی جائے گی)"۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وفيه وجوب قتال مانعي الزكاة أو الصلاة أو غيرهما من واجبات الاسلام قليلاً كان أو كثيراً لقوله رضى الله عنه لو منعوني عقالاً أو عناقاً''[2]

"اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو (ممتنع) گروہ بھی زکوٰۃ، نماز یا واجبات اسلام میں سے کسی بھی چھوٹے بڑے واجب کی ادائیگی سے انکار کرے تو اس سے لڑنا واجب ہے کیونکہ ابو بکر

---

[1] احکام القرآن: 134/2.

[2] شرح النووی رحمۃ اللہ علیہ علی مسلم: 212/1.

صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اگر یہ لوگ ایک رسی یا ایک بکری کا بچہ بھی ادا کرنے سے انکار کریں (تو میں اس پر بھی ان کے خلاف قتال کروں گا)''۔

علامہ ابن ابطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قال المهلب: وانماقاتل ابوبكر الصديق الذين منعوا الزكاة لأنهم امتنعوا بالسيف، ونصبوالحرب للأمة۔ واجمع العلماء أن من نصب الحرب فى منع فريضة ،أو منع حقاً يجب عليه لآدم أنه يجب قتاله، فان أتى القتل على نفسه فدمه هدر''۔[1]

''مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف اسی لئے قتال کیا تھا کہ انہوں نے تلوار کے زور پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کیا اور اس کی خاطر امت سے جنگ پر بھی آمادہ ہو گئے، اور اس بات پر تو علمائے کرام کا اجماع ہے کہ جو شخص کسی فریضے کی ادائیگی یا کسی شخص کے حق کی ادائیگی سے انکاری ہو اور اس پر اَڑے رہنے کی خاطر جنگ کے لئے بھی تیار ہو تو اس کے خلاف قتال کرنا فرض ہے۔ پھر اگر وہ اس لڑائی میں مارا جائے تو اس کا خون رائیگاں ہو گا''۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ صرف نماز یا زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکاری کے خلاف قتال نہیں کیا جائے گا بلکہ یہاں اس سے مراد تمام اوامر ونواہی ہیں۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سورۃ التوبہ کی آیت ۵ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

[1] شرح صحیح البخاری لابن بطال: 576/8.

''ولهذا اعتمد الصديق رضى الله عنه فى قتال مانعي الزكاة على هذه الآية الكريمة وأمثالها ،حيث حرمت قتالهم بشرط هذه الأفعال ،وهى الدخول فى الاسلام ، والقيام بأداء واجباته، ونبه بأعلاها على أدناها''۔[1]

''ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف قتال کے لئے اس آیت مبارکہ اور اس جیسی دیگر آیات کو بنیاد بنایا تھا، کیونکہ ان میں قتال کی حرمت چند افعال سے مشروط کی گئی ہے۔ یعنی جب کوئی شخص اسلام میں داخل ہو جائے اور واجبات اسلام کی پابندی قبول کر لے تو اس کے خلاف قتال جائز نہیں رہتا (ورنہ بصورت دیگر قتال فرض عین ہے)۔ اس آیت میں (اسلام کے) اہم ترین واجبات (یعنی نماز اور زکوٰۃ) کا تذکرہ کر کے واجباتِ اسلام ہی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے''۔

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وأجمع العلماء على من نصب الحرب فى منع فريضة أومنع حقاً يجب عليه لآدمي وجب قتاله فان أتى القتل على نفسه فدمه هدر''۔[2]

''اس بات پر علمائے کرام کا اجماع ہے کہ جو شخص کسی فریضے کی ادائیگی یا کسی شخص کے حق کی ادائیگی سے انکاری ہو اور اس پر اڑے رہنے کی خاطر جنگ کے لئے بھی تیار ہو، تو اس کے خلاف قتال کرنا واجب ہے۔ پھر اگر وہ اس لڑائی میں مارا جائے تو اس کا خون رائیگاں ہو گا''۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] تفسير ابن كثير: 111/4.

[2] عمدة القارى: 410/34.

''وكل طائفة ممتنعة عن شريعة من شرائع الاسلام الظاهرة المعلومة يجب قتالها ولوتشهدوا۔مثل أن لايصلوا،أولا يزكوا،أولايصوموا،أولا يحجوا البيت،أوقالو نفعل هذا ولاندع الخمر،ولاالزنا،أوالربا،أوالفواحش،أولا نجاهد،أولا نضرب الجزية على أهل الذمة،أونحوذلك،قوتلوا حتى يكون الدين كله لله''[1]

''قوت و شوکت کے حامل ہر وہ گروہ (یعنی طائفہ ممتنعہ)جو اسلام کے مشہور و معلوم احکامات میں سے کسی ایک بھی حکم کی بجاآوری سے انکار کرے ،اس سے لڑنا واجب ہے ،اگرچہ وہ گروہ کلمہ گو(مسلمانوں)پر ہی کیوں نہ مشتمل ہو۔مثلاً اگر کوئی گروہ نماز پڑھنے یا زکوٰۃ ادا کرنے یا روزے رکھنے یا بیت اللہ کا حج کرنے سے انکار کردے۔یا مثلاً وہ یہ کہے کہ ہم یہ سب فرائض تو ادا کریں گے لیکن شراب نوشی اور زنا نہیں چھوڑیں گے یا سود ترک نہیں کریں گے یا فواحش سے باز نہیں آئیں گے یا ہم جہاد نہیں کریں گے یا ہم ذمیوں پر جزیہ عائد نہیں کریں گے وغیرہ۔تو ایسے گروہ کے خلاف قتال کیا جائے گا،یہاں تک کہ پورے کا پورا دین اللہ کے لئے خالص ہو جائے''۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''كل طائفة خرجت عن شرائع الاسلام الظاهرة المتواترة فانه يجب قتالها باتفاق المسلمين، وان تكلمت بالشهادتين،فاذا أقروا بالشهادتين وامتنعوا عن الصلوات الخمس وجب قتالهم حتى يصلوا،وان امتنعوا عن الزكاة وجب قتالهم حتى يؤدوا الزكاة،وكذلك ان امتنعوا عن الصيام فى شهر رمضان،أوحج البيت العتيق،وكذلك ان امتنعوا عن تحريم الفواحش،

[1] مختصر الفتاویٰ المصرية 167/1.

أوالزنا، أوالميسر، أوالخمر، أوغير ذلك من محرمات الشريعة۔ وكذلك ان امتنعوا عن الحكم في الدماء والأموال والأعراض والأنضاع ونحوها بحكم الكتاب والسنة، وكذلك ان امتنعوا عن الامر بالمعروف والنهى عن المنكر، وجهاد الكفار الى أن يسلموا أو يؤدوا الجزية عن يدوهم صاغرون''۔[1]

''تمام مسلمان اس امر پر متفق ہیں کہ ہر اُس (ممتنع) گروہ کے خلاف قتال واجب ہے جو اسلام کے مشہور و متواتر احکام کی بجا آوری ترک کر دے ، اگرچہ وہ شہادتین کا اقرار کرتا ہو۔ مثلاً اگر وہ شہادتین کا اقرار کرنے کے بعد پانچ نمازیں پڑھنے سے انکار کر دیں تو ان کے خلاف قتال واجب ہو گا یہاں تک کہ وہ نماز پڑھنے لگیں۔ اسی طرح اگر وہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کریں تب بھی ان سے لڑنا واجب ہو گا یہاں تک کہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے لگیں۔ ایسے ہی اگر وہ رمضان کے رکھنے یا حج بیت اللہ کرنے سے انکار کریں تو بھی ان کے خلاف قتال واجب ہو گا۔ پھر اسی طرح اگر وہ فواحش یا زنا یا جوئے یا شراب کی حرمت کا پابند رہنے سے انکار کریں تو بھی ان کا یہی حکم ہو گا۔ نیز اگر وہ اپنے جان و مال، عزت و آبرو اور شادی بیاہ جیسے معاملات میں کتاب و سنت کے مطابق فیصلے کرنے سے انکار کر دیں، یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ بجالانے سے انکاری ہو، یا کفار کے مسلمان ہونے یا ذلیل بن کر جزیہ دینے تک جہاد جاری رکھنے سے انکار کریں، تب بھی ان کے خلاف قتال کرنا واجب ہو گا''۔

مزید فرماتے ہیں:

''فأيما طائفة امتنعت عن بعض الصلوات المفروضات، أو الصيام، أو الحج، وعن التزام تحريم الدماء، والاموال، والخمر، والزنا، والميسر أو عن نكاح

[1] الفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیۃ رحمۃ اللہ علیہ: 535/3.

ذوت المحارم ،وعن التزام جهاد الكفاروضرب الجزية على أهل الكتاب، وغيرذلك من واجبات الدين ومحرماته،التى لاعذر لأحد فى جهودها وتركها،التى يكفر الجاحد لوجوبها؛فان الطائفة الممتنعة تقاتل وان كانت مقرة بها ،وهذا ممالا أعلم فيه خلافاً بين العلماء''۔الأسئلة والأجوبة الفقهية المقرونة،الجزء الثالث.

''پس جو طائفہ ٔممتنعہ بھی بعض فرض نمازوں یاروزے یاحج کی ادائیگی سے انکار کرے؛یا (اسی طرح کسی کی)جان ومال (پر ناحق تجاوز کرنے)کی حرمت اور شراب،زنا،جوئے اور محرم رشتہ داروں سے نکاح کی حرمت کا پابند رہنے سے انکار کرے؛یا کفار کے خلاف جہاد کے التزام یا اہل کتاب پر جزیہ عائد کرنے سے انکار کرے؛یا ان دیگر فرائض پر عمل یا محرمات سے اجتناب کرنے سے انکاری ہو جائے جنہیں نہ تو ترک کرنے کی شرعاً گنجائش ہے ،نہ ان کی فرضیت یاحرمت کے انکار کی کوئی گنجائش ہے،بلکہ جن کی فرضیت یا حرمت کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔تو ہر ایسے طائفہ ٔممتنعہ کے خلاف قتال کیا جائے گا،خواہ وہ (فرائض کی)فرضیت یا(حرام کی)حرمت کا اعتراف ہی کیوں نہ کرتا ہو(اور محض ان کی ادائیگی سے انکار کررہاہو)۔میرے علم میں نہیں کہ علماء میں سے کوئی بھی اس مسئلے سے اختلاف کرتا ہے''۔

''فان الله يقول فى القرآن ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ والدين هو الطاعة فاذا كان بعض الدين لله وبعضه لغير الله وجب القتال حتىٰ يكون الدين كله لله؛ ولهذا قال الله تعالىٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ وهذه الآية نزلت فى اهل الطائف لما دخلوا فى الاسلام والتزموا الصلاة والصيام ؛لكن امتنعوا من ترك الرّبا۔فبين الله انهم

محاربون له ولرسوله اذالم ينتهوا عن الربا۔ والربا هوآخر ماحرمه الله وهوا مال يؤخذ برضا صاحبه۔فاذا كا هؤلاء محاربين الله ورسوله يجب جهادهم فكيف بمن يترك كثيراًمن شرائع الاسلام أو أكثرها كالتتار''[1]

''بے شک اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:''اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔''بس دین (کلی) اطاعت کا نام ہے اور جب دین (نظام) کچھ اللہ کے لئے ہو اور کچھ غیر اللہ کے لئے تو قتال فرض ہو جاتا ہے یہاں تک کہ دین کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ پس اگر تم باز نہ آئے تو تمہارے خلاف اللہ اور اس کے رسول کا اعلان جنگ ہے۔''یہ آیات نازل ہوئی تھی اہل طائف کے بارے میں جبکہ وہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور نماز و روزہ کا بھی التزام کر رہے تھے لیکن انہوں نے سود کو ترک کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ جب تک وہ سود نہیں چھوڑتے وہ اس وقت تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ کی حالت میں ہیں۔ سود وہ آخری چیز ہے جس کو اللہ نے قرآن میں حرام ٹھہرایا اور یہ وہ مال ہے جو برضا و رغبت صاحب مال سے لیتا ہے۔ پس جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرنے والے سود کے عدم تارکین کے خلاف جہاد واجب ہے تو تاتاریوں کی طرح اکثر شعائر اسلام کو ترک کرنے والوں کا معاملہ کیا ہو گا''۔

اگر کوئی طائفہ ممتنعہ کسی متواتر سنت کا بھی انکاری ہو تو اس کے خلاف بھی قتال کیا جائے گا۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ یہ مسئلہ بیان کرتے ہیں:

---

[1] مجموع الفتاوىٰ لابن تيمية رحمۃ اللہ علیہ، ج:6ص:427.

''فثبت بالكتاب والسنة واجماع الامة،انه يقاتل من خرج عن شريعة الاسلام ، وان تكلم بالشهادتين ـ وقد اختلف الفقهاء فى الطائفة الممتنعة،لو تركت السنة الراتبة،كركعتى الفجر،هل يجوز قتالها؛على قولين۔فاماالوجبات والحرمات الظاهرة والمستفيضة،فيقاتل عليها بالاتفاق''[1]

''پس کتاب اور اجماع امت سے ثابت ہو گیا کہ اس جماعت سے قتال و جنگ کی جائے جو شریعت اسلام سے خارج ہو اگرچہ وہ شہادتین (کلمہ) کا زبان سے اقرار کریں۔فقہاء کہتے ہیں کہ اگر کوئی طائفہ ممتنعہ سنت کی مزاحمت کرے اور اسے ترک کرنے پر کمربستہ ہو مثلاً فجر کی دو سنتوں کا انکار کرے تو دونوں اقوال کے مطابق ان سے جنگ کی جائے،اور اگر واجبات اور ثابت شدہ محرمات ظاہرہ و مشہورہ سے انکار کرے تو بالاتفاق ان سے جنگ کی جائے''۔

''وأيما طائفة انتسبت الى الاسلام ،وامتنعت من بعض شرائعه الظاهرة المتواترة،فانه يجب جهادها باتفاق المسلمين،حتى يكون الدين كله لله،كماقاتل أبوبكرالصديق رضي الله عنه وسائرالصحابة رضى الله عنهم مانعي الزكاة، وكان قد توفق فى قتالهم بعض الصحابة،ثم اتفقوا''[2]

''وہ گروہ جس کی نسبت اسلام کی طرف ہوتی ہو اور وہ مسلمان کہلاتا ہو، لیکن بعض شرعی قوانین سے وہ احتراز کرے یا منع کرے اور وہ شرعی قوانین ایسے ہوں جو ظاہر اور متواتر ہوں تو ان سے جہاد کرنا واجب ہے،اس پر تمام مسلمان متفق ہیں کہ ایسے لوگوں کے خلاف جہاد و قتال کرنا فرض ہے یہاں تک کہ دین کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے جیسا کہ امیر

---

[1] السياسة الشرعية،ص:122.

[2] السياسة الشرعية،ص:120.

المؤمنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف جہاد کیا۔ گو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ابتداء میں اس سے اختلاف کیا لیکن بعد میں سب متفق ہو گئے"۔

عصر حاضر کے طواغیت بطور عدوّ صائل:

بلاد اسلامیہ پر مسلط عصر حاضر کے طواغیت اور ان کا وضع کردہ نظام حکومت "طائفہ ممتنعہ" کی صورت اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اب "ضروریاتِ خمسہ" کے لئے "عدوّ صائل" بھی بن چکا ہے کیونکہ یہ سب شرعی احکامات سے انکار پر مصر اور شریعت کے نفاذ سے انکاری ہیں بلکہ عامۃ المسلمین کو بھی شریعت پر عمل سے روکتے ہیں، شرق و غرب کے شیطانی قوانین ان پر جبراً مسلط کرتے ہیں۔

غرضیکہ یہ طواغیت مسلمانوں کے دین پر بھی حملہ آور ہو چکے ہیں اور انہیں شریعت پر عمل سے روکنے اور ان گنت فرائض و واجبات کے ترک پر مجبور کرنے کے لئے اپنی تمام قوت و شوکت اور میسر وسائل استعمال کر رہے ہیں۔ پھر صرف یہی نہیں، بلکہ ان دشمنان دین کی دسترس سے مسلمانوں، بالخصوص دین دار مسلمانوں کے جان، مال اور عزت غرض یہ کہ کچھ بھی محفوظ نہیں۔

یہ تو رہزنوں (قطاع الطریق) سے بھی بڑے مفسد ہیں، کیونکہ وہ تو محض چند مخصوص راستوں پر بیٹھ کر کسی محدود تعداد میں گزرنے والے لوگوں پر رستہ تنگ کرتے ہیں اور ان کے جان و مال خطرے میں ڈالتے ہیں........ لیکن یہ بد بخت تو پوری ریاستی قوت کے ساتھ کروڑوں مسلمانوں کے دین، ایمان اور عقیدے پر ہر پہلو سے وار کرتے ہیں۔ پھر جو مسلمان بھی دین پر عمل کرنے کے لئے جتنا آگے بڑھتا ہے ان طواغیت کی فوج، پولیس اور خفیہ اداروں کے ہاتھوں اس کی جان، مال اور عزت پامال ہونے کا خطرہ اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے۔ یہ طواغیت دین کی تمام اقدار مٹانا چاہتے ہیں، عقائد ہو یا فقہی احکامات، سیاسیات ہو یا اقتصادی معاملات، معاشرت ہو یا عمومی اخلاقیات، تمام شعبہ ہائے زندگی سے اسلام کو

بے دخل کرنا ان کا سوچا سمجھا ہدف ہے۔لہذا زمین پر اس سے بڑھ کر فساد کی کوئی اور صورت نہیں پائی جاسکتی۔

یہ شیاطین صفت طواغیت ہر اعتبار سے مسلمانوں کے دین و دنیا پر حملہ آور (عدو صائل) ہیں۔پس ''عدوّ صائل'' کے خلاف دفاع ایک ثابت و محکم شرعی حکم ہے۔لہذا شرعاً ان پر ''طائفہ ممتنعہ'' کے ساتھ ساتھ ''عدوّ صائل'' کا حکم بھی چسپاں ہو گا۔اور اسی لئے ان کے خلاف ''دفاعی قتال'' بغیر کسی شرط کے فرض عین ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وأما قتال الدفع فهو أشد أنواع دفع الصائل عن الحرمة والدين،فواجب اجماعاً،فالعدو الصائل الذى يفسد الدين والدنيا لاشيئ أوجب بعد الايمان من دفعه، فلايشترط له شرط،بل يدفع بحسب الامكان، وقد نص على ذلك العلماء اصحابنا وغيرهم''۔[1]

''اور جہاں تک دفاعی قتال کی بات ہے تو دین اور حرمتوں پر حملہ آور دشمن کے خلاف اپنے دفاع کی سب سے موثر صورت یہی ہے اور اسی لئے یہ بالاجماع واجب ہے۔ایمان لانے کے بعد اس سے بڑا فرض کوئی نہیں کہ دین و دنیا کو برباد کرنے کے درپے حملہ آور دشمن کو بچھاڑ اجائے۔اس قتال (کی فرضیت) کے لئے کوئی شرط نہیں،بلکہ ہر ایک (پر لازم ہے کہ وہ) حسب استطاعت دشمن کو پچھاڑنے میں اپنا حصہ ڈالے۔ہمارے اصحاب اور دیگر علمائے کرام نے یہ مسئلہ بالکل صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے''۔

امام ابو بکر الجصاص الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

[1] الفتاوىٰ الكبرىٰ:537/5.

''وكذلك حكم من يأخذ اموال الناس من المتسلطين الظلمة وآخذيالضرائب واجب على كل المسلمين قتالهم وقتلهم اذاكانوا ممتنعين، وهؤلاء أعظم جرماًمن آكلي الرباء لانتها كهم حرمة النهي وحرمة المسلمين جمعاً، وآكل الرباانما انتهك حرمة الله تعالى فى أخذ الرباولم ينتهك لمن يعطيه ذلك حرمة ،لأنه اعطاه بطيبة نفسه، وآخذو الضرائب فى معنى قطاع الطريق المنتهكين لحرمة نهي الله تعالى وحرمة المسلمين؛ اذ كانوا يأخزونه جبراًوقهراً لاعلى تأويل ولاشبهة ،فجائز لمن علم من المسلمين اصرارهؤلاء على ماهم عليه من أخذ أموال الناس على وجه الضريبة أن يقتلهم كيف أمكنه قتلهم، وكذلك أتباعهم وأعوانهم الذين بهم يقومون على أخذ الاموال''[1]

''اسی طرح ان ظالموں کا حکم بھی یہی ہے جو لوگوں پر (بطور حاکم) مسلط ہو کر ان کے مال ناحق چھینتے ہیں اور ان سے ناجائز محصولات (ٹیکس) بٹورتے ہیں۔ اگر یہ لوگ طائفہ ممتنعہ (طاقتور گروہ) کی صورت میں ہوں تو ان کے خلاف قتال کرنا اور انہیں قتل کرنا تمام مسلمانوں پر واجب ہو گا۔ یہ لوگ تو سود خوروں سے بھی بڑے مجرم ہیں، کیونکہ یہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکامات کی حرمت پامال کرتے ہیں، بلکہ مسلمانوں کی حرمت کا بھی پاس نہیں کرتے۔ اس کے برعکس سود خور حکم الٰہی کی حرمت تو یقینا پامال کرتا ہے، لیکن سود دینے والے کی حرمت پامال نہیں کرتا، کیونکہ وہ تو اپنی رضا سے سود دیتا ہے۔ ناحق محصولات لینے والے ان ظالموں کا حکم تو اُن رہزنوں (قطاع الطریق) کا سا ہے جو اللہ کی حدود کو بھی روندتے ہیں اور مسلمانوں (کے اموال) کی حرمت بھی پامال کرتے ہیں۔ یہ بھی رہزنوں کی طرح کسی تاویل یا شبہے کے بغیر جبراً و قہراً (مسلمانوں کا) مال غصب کرتے ہیں۔ پس جو مسلمان بھی ایسے لوگوں کو جانتا ہو جو محصولات کے نام پر مسلمانوں کا مال ناحق لوٹتے ہوں

---

[1] احکام القرآن للجصاص:ج1،ص:572.

اور اس پر مصر بھی رہیں، اس کے لئے جائز ہے کہ (ٹیکس دینے کے بجائے) کسی بھی ممکنہ طریقے سے ان ظالموں کو قتل کرڈالے۔اسی طرح ہر مسلمان کے لئے ان کے پیروکاروں و مددگاروں کو قتل کرنا بھی جائز ہوگا کہ جن کے بل پر یہ عام لوگوں سے ناحق مال چھیننے کی قابل ہوتے ہیں"۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"تو معلوم ہوا کہ جب تک اسلام کے احکامات کی عملاً پابندی نہ ہو جائے ،اس وقت تک اسلام کو خالی اپنا لینے سے قتال ساقط نہیں ہو جاتا،اس لئے جب تک دین کل کا کل ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کے لئے نہ ہو جائے اور جب تک فتنہ ختم نہ ہوجائے قتال "واجب" ہے ۔چنانچہ جب دین (اطاعت وپابندی حکم و قانون) غیر اللہ کے لیے ہو جائے تو قتال واجب ہو جاتا ہے........ چنانچہ وہ لوگ جو اسلام کے ظاہر و متواتر احکامات و قوانین کی پابندی نہیں کرتے،ان سے قتال کے واجب ہونے پر میں علماء اسلام میں کوئی بھی اختلاف نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾سورۃ الانفال:۳۹.

اس لئے اگر دین کچھ تو اللہ کے لئے اور کچھ غیر اللہ کے لئے ہو تو قتال واجب ہوگا جب تک دین سارے کا سارا اللہ کے لئے نہ ہو جائے۔"[1]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "فتح الباری"میں اورامام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (صلح حدیبیہ کے ایک سال

[1] فتاوىٰ ابن تيميه :28/502-511.

بعد) عمرۂ قضا کے لیے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے یہ "رجزیہ" اشعار پڑھتے جا رہے تھے:

خلوا بنی الکفار عن سبیله

قد انزل الرحمٰن فی تنزیله

بان خیر القتل فی سبیله

نحن قتلنا لکم علی تاویله

کما قتلناکم علی تنزیله

ترجمہ: اے کافروں کی اولاد! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ چھوڑ دو، بے شک مہربان اللہ نے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ: "بہترین قتل وہ ہے جو اس کی راہ میں ہو"۔ (لہٰذا) ہم تم کو قتل کریں گے اس قرآن کی مراد (یعنی معانی و احکامات) منوانے پر بھی، جیسا کہ ہم نے تم کو قتل کیا ہے اس کے نزول کے منوانے پر۔[1]

امام العصر حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہ روایت "نصِ صحیح" ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کے وہ معانی و مصادیق جن پر صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کا اجماع ہو چکا ہے، ان کو منوانے اور تسلیم

---

[1] رواه الطبرانی ورجاله رجال الصحیح ،مجمع الزوائد،ج:6،ص:147۔فتح الباری لابن حجر رحمۃ اللہ علیہ،ج:12ص:65.

کرانے پر بھی اسی طرح جنگ کی جائے گی جیسے قرآن کو کلام اللہ اور منزل من اللہ منوانے کے لئے جنگ کی گئی ہے۔"[1]

ہم اپنی بات کو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کلام پر ختم کرتے ہیں اور ساتھ میں یہ دعاء بھی کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت ہمیں اس گروہ میں شامل فرمائے جو تیرے دین کی نصرت کرنے والا ہو اور ہمیں اس گروہ سے بچا جو تیرے دین کو ڈھانے والا ہو۔ آمین!

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''فمن عدل عن الكتاب قوم بالحديد؛ ولهذا كان قوام الدين بالمصحف والسيف۔ وقد روي عن جابر بن عبد الله رضى الله عنهما قال:((أمرنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أن نضرب بهذا)) يعني السيف من عدل عن هذا يعني المصحف''[2]

''پس جو شخص کتاب اللہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرے، اُسے لوہے (یعنی تلوار) سے سیدھا کیا جائے، اس لئے کہ دین کا قیام، دین کی مضبوطی اور پائیداری کتاب اللہ اور شمشیر سے ہوتی ہے۔ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے:((اَنْ نَضْرِبَ بِھَذَا)) "یعنی تلوار سے اُسے ماریں جو قرآن سے منہ موڑے"۔

سورۃ التوبہ کی درج ذیل آیات اس ساری صورتحال میں یہ لائحہ عمل دیتی ہیں:

---

[1] اکفار الملحدین، ص172.

[2] السياسة الشرعيه: باب كيفية معرفة الأصلح في الولاية، ص19.

وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ ○ أَلا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ○ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلا رَسُولِهِ وَلا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ [1] ○

”اور اگر عہد کرنے کے بعد اپنے عہد کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعنے کرنے لگیں تو ان کفر کے اماموں سے جنگ کرو۔ ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں۔ عجب نہیں کہ اپنی حرکات سے باز آجائیں۔ بھلا تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنے عہدوں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر کو جلا وطن کرنے کا عزمِ مصمم کر لیا اور انہوں نے تم سے (عہد شکنی کی) ابتداء کی۔ کیا تم ایسے لوگوں سے ڈرتے ؟ حالانکہ ڈرنے کے لائق اللہ تعالیٰ ہے بشرطیکہ ایمان رکھتے ہو۔ ان سے (خوب) لڑو۔ اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب میں ڈالے گا اور رسوا کرے گا اور تم کو ان پر غلبہ دے گا اور مومن لوگوں کے سینوں کو شفا بخشے گا۔ اور ان کے دلوں سے غصہ دُور کرے گا اور جس پر چاہے گا رحمت کرے گا اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) حکمت والا ہے۔ کیا تم لوگ یہ خیال کرتے ہو کہ (بے آزمائش) چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی تو اللہ نے ایسے لوگوں کو ظاہر کیا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دِلی دوست نہیں بنایا اور اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے“۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ﴿فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

[1] التوبة:12تا16

"پس ثابت ہوا کہ اس سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو دین اسلام (اور اس کے احکامات) پر نکتہ چینی کرتے ہیں، اس سے یہ بھی لازم آیا کہ وہ سب کفر کے امام ہیں، اور کفر کا امام اور پیشوا وہ ہوتا ہے جو کفر کی طرف دعوت دیتا ہے اور لوگ اس کی بات مانتے ہیں"۔[1]

[1] الصارم المسلول علی شاتم الرسول۔

حرف آخر

عصر حاضر کے طواغیت اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید پر فخر کرنے والے

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو خلیفہ ابو جعفر منصور" قاضی القضاۃ"(چیف جسٹس) بنانے کی بار بار کوشش کی مگر آپ نے ہمیشہ انکار کیا۔ اسی حوالے سے مولانا عاصم عمر اپنی معرکۃ الآراء کتاب "امام مہدی کے دوست اور دشمن" میں رقم طراز ہیں:

"وہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جن کے ہم نام لیوا ہیں........ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم ان کی تقلید کرتے ہیں........ان کے مناقب، ان کے فضائل اور ان کے مسائل پڑھتے پڑھاتے ساری زندگی گزر جاتی ہے........پر کاش! کبھی سوچا ہو تا آخر کیا چیز تھی........کیا درد تھا. کیسی کڑھن تھی کہ بڑھاپے میں "حلقۂ مریداں" کے بجائے قید تنہائی کو اختیار کیا ....آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کیسا فقہ پڑھا تھا جس نے کسی تاویل یا فقہی جزیہ کا سہارا نہیں لیا اور آخری عمر شاگردوں کے جلو میں گذارنے کے بجائے، زندان کی بھٹی میں جھونک دیئے ....مسندِ درس کی اہمیت بھی "مصلحت و حکمت" کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آئی ہو گی اور سمجھانے کی کوشش کی ہو گی کہ خلیفۂ وقت کے خلاف خروج کو کس طرح جائز قرار دیتے ہیں، یا یہ مسلمانوں کی آپس کی لڑائی ہے آپ فقہ پڑھاتے رہئیے اور خاموش ہو جایئے، عہدہ قبول کرنے میں کیا حرج ہے ....وہ بھی اسلامی خلافت کا عہدہِ قضاء........لیکن ثابت (نعمان ابن ثابت) کے فرزند کے قدم ثابت ہی رہے۔ ایک بار جو "نہ" نکلی........سو نکلی ....جان سے گزر گئے لیکن "نہ" کو "ہاں" میں تبدیل نہ کیا جا سکا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا رویہ ایسے دور میں تھا جو خیر القرون میں شمار ہوتا ہے ۔خلافت قائم ہے ،ہر طرف اسلام کا بول بالا ہے ،اسلامی حدود جاری وساری ہیں ،مسلمانوں کی جان ومال ،عزت وآبرو کو کافروں سے کوئی خطرہ نہیں ہے........اور خلیفہ بھی آج کے حکمرانوں سے کروڑوں درجہ اچھا ،جس نے نہ اقامتِ صلوۃ کو معطل کیا ہے نہ اقامت جہاد........تصور کیجئے اگر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو علم ہو جائے کہ ان کے نام لیوا کافروں کی غلامی میں رہتے ہیں .ان کی فقہ سے یہود ونصاریٰ اور ہندوؤں کی اطاعت کے جواز نکالتے ہیں........پھر اس پر فخر بھی کرتے ہیں کہ وہ دین کی بڑی خدمت کر رہے ہیں ،قیامت کے دن اگر ہمارا گریبان پکڑ لیا تو کیا ہو گا؟جس امام کو قرونِ اولیٰ کے حکمران باطل نظر آئے اور ان کے خلاف جہاد کرنے والوں کا عملی ساتھ دیا ،اگر ان کو پتہ چلے کہ ان کی تقلید کرنے والے ہندوستان میں ہندوؤں کی غلامی پر راضی ہیں ،ان کی تقلید کرنے والے (دار الحرب)امریکہ وبرطانیہ میں رہائش اختیار کرتے ہیں اور جہاد نہیں کرتے ،اور وہ بھی ہیں جنھوں نے ''طواغیت''کو اپنا امیر ''تسلیم'' کر لیا ہے اور ان کے خلاف خروج کو ناجائز کہتے ہیں ۔اللہ کے دشمنوں کی مدد کرنے والوں کے حق میں امام صاحب کے فقہ سے دلائل لاتے ہیں ۔

اے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرنے والو! کبھی سوچا ہے کہ قیامت میں ان نفوس قدسیہ کو کس طرح سامنا کرو گے ۔امریکہ کی اطاعت پر راضی رہنا........اسلام کے خلاف چھیڑی گئی جنگ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی صف میں کھڑا ہونا........کیا تاویلات کا سہارا لے کر ایسے (عظیم) شخص سے بحث کی جا سکے گی جن کے فقہی اسرار ورموز کی دنیا معترف ہے ۔پھر ایک بار پڑھیئے........اور دل کی آنکھیں کھول کر پڑھیئے........امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ جیل سے نکلا........کوڑے کھائے اور سخت اذیتیں سہہ سہہ کر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے ۔زمین وآسمان کی وسعتوں کے برابر اللہ کی رحمتیں ہوں نعمان

ابن ثابت ،ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر جنھوں نے اپنی زندگی قربان کرکے شریعت کی آبرو کی حفاظت کی۔ آمین!"[1]

عصر حاضر کے طواغیت کے خلاف جید علمائے کرام کے فتاویٰ

مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ (شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن) گیارہ ستمبر کو نیویارک پر ہونے والے حملوں کے بعد افغانستان پر حملہ کے پیش نظر ایک فتویٰ دیا۔ اس کے علاوہ مشہور سعودی سلفی عالم دین شیخ حمود عقلاء الشعیبی رحمۃ اللہ علیہ نے،۲۱رجب ۱۴۲۲ہجری (اکتوبر ،2001ء) کو امریکی طرفداری کرنے پر سعودی حکومت کو انتہائی سختی سے متنبہ کرتے ہوئے فتویٰ جاری کیا، جن کی نقول پیش خدمت ہیں،اس غرض کے ساتھ:

﴿قَدْ جَآءَكُم بَصَآئِرُ مِن رَّبِّكُمْ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَآ أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ﴾[2]

"تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی روشنیاں آگئی ہیں ،اب جو بینائی سے کام لے گا وہ اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو اندھا بنے گا وہ خود نقصان اٹھائے گا،اور میں تم پر کوئی نگہبان نہیں ہوں"۔

---

[1] اقتباس از"امام مہدی کے دوست اور دشمن"ص:140.

[2] الانعام :140.

DR. M. NIZAMUDDIN SHAMZAI
Professor of Hadees:
JAMIAT-UL-ULOOM-UL-ISLAMIA
Allama Banori Town, Karachi. Ph: 4918314

ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی
شیخ الحدیث: جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
فون: ۴۹۱۸۳۱۴

امریکہ نے امارتِ اسلامی افغانستان پر حملہ کر دیا ہے۔ اب مسلمانوں کیلئے شرعی احکام مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ تمام مسلمانوں پر جہاد فرض ہوگیا ہے کیونکہ موجودہ صورتحال میں صرف افغانستان کے آس پاس مسلمان امارتِ اسلامی افغانستان کا دفاع نہیں کر سکتے ہیں اور یہودیوں اور امریکہ کا اصل ہدف امارتِ اسلامی افغانستان کو ختم کرنا ہے۔ دارالاسلام کی حفاظت اس صورت میں تمام مسلمانوں کا شرعی فریضہ ہے۔

۲۔ جو مسلمان چاہے اس کا تعلق کسی بھی ملک سے ہو اور کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے سے وابستہ ہو وہ اگر اس صلیبی جنگ میں افغانستان کے مسلمانوں یا امارتِ اسلامی افغانستان کی اسلامی حکومت کے خلاف استعمال ہوگا وہ مسلمان نہیں رہے گا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف کوئی بھی مسلمان حکمران اگر حکم دیں اور اپنے ماتحت لوگوں کو اسلامی حکومت کے ختم کرنے کیلئے استعمال کرنا چاہے تو ماتحت لوگوں کیلئے اس طرح کے غیر شرعی احکام ماننا جائز نہیں ہے بلکہ ان احکام کی خلاف ورزی ضروری ہوگی۔

۴۔ اسلامی ممالک کے جتنے حکمران اس صلیبی جنگ میں امریکہ کا ساتھ دے رہے ہیں اور اپنی زمین، وسائل اور معلومات ان کو فراہم کر رہے ہیں وہ مسلمان پر حکمرانی کے حق سے محروم ہو چکے ہیں تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان حکمرانوں کو اقتدار سے محروم کریں چاہے اس کیلئے جو بھی طریقہ استعمال کیا جائے۔

۵۔ افغانستان کے مسلمان مجاہدین کے ساتھ جانی و مالی اور ہر قسم کی ممکن مدد مسلمانوں پر فرض ہے لہذا جو مسلمان وہاں جا کر ان کے شانہ بشانہ لڑ سکتے ہیں وہ وہاں جا کر شرکت کر لیں اور جو مسلمان مالی تعاون کر سکتے ہیں وہ مالی تعاون فرمائے۔ اللہ تعالیٰ مصیبت اس گھڑی میں مسلمانوں کا حامی و ناصر ہو۔

فقط والسلام

اس فتویٰ کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کر کے دوسرے مسلمانوں تک پہنچائے۔

> موضوع

تم آخر تحديث في الساعة 12:12 بتوقيت جرينتش 01/10/12

عالم دين سعودي يحذر الأسرة الحاكمة

حذر أحد كبار علماء الدين السعوديين الأسرة الحاكمة في المملكة من موالاة الولايات المتحدة ضد أي دولة مسلمة.

فقد أصدر الشيخ حمود بن عقلاء الشعيبي، وهو عالم دين وهابي بارز، سلسلة فتاوى قال فيها إن "من أعان دول الكفر كأمريكا وزميلاتها على المسلمين يكون كافرا مرتدا عن الإسلام".

وأفادت أنباء بأن السلطات السعودية طلبت من الشيخ الشعيبي التوقف عن إصدار الفتاوى، لكنه رفض.

موجودہ صورت حال کے متعلق سعودی عرب کے ایک ممتاز عالم دین کا فتویٰ

سعودی عرب کے ایک بڑے عالم دین نے سعودی حکومت کو امریکی حکومت کی طرفداری سے جو کسی مسلمان ملک کے خلاف ہو انتہائی سختی سے متنبہ کر دیا ہے۔
شیخ حمود بن عقلاء الشعیبی جو ایک مشہور سلفی ممتاز عالم دین ہیں انہوں نے اپنے فتویٰ میں صراحت کی کہ "جس نے کفری طاقتوں جیسے امریکا اور اسکے اتحادیوں سے مسلمانوں کے خلاف تعاون کیا وہ کافر اور مرتد ہو کر دائرۂ اسلام سے خارج ہوگا"

سعودی حکومت نے اس فتوے پر شیخ الشعیبی کو طلب کیا اور یہ فتویٰ واپس لینے کو کہا لیکن انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔

(مندرجہ بالا فتویٰ طالبان کی اسلامی حکومت کے خلاف ممکنہ امریکی جارحیت سے قبل دیا گیا تھا۔ جس میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ جس شخص نے بھی اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد میں یا اس کے قیام کے بعد اس کو ختم کرنے یا اس کو کمزور کرنے کے لئے باطل اور کفر کا ساتھ دے یا اس باطل اور طاغوتی نظام کے تحفظ میں مارا جائے، چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو، وہ مرتد ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے)

پاجاسراغِ زندگی

سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''آج کتنے بڑے بڑے فتنے ہیں جو اس وقت جہنم کے شعلوں کی مانند بھڑک رہے ہیں........اور پورے پورے اسلامی ممالک کو جلاکر خاکستر کر دینا چاہتے ہیں. جو صحابہ کرام]کی امیدوں پر پانی پھیرنا چاہتے ہیں........ آج قسم قسم کے اسلام سوز، ایمان سوز، اخلاق سوز، انسانیت سوز فتنے ابھر رہے ہیں........مادّیت، الحاد، قوم پرستی نبوتِ محمدی ﷺ سے آنکھیں ملانے کیلئے تیار ہے........ آج مسلیمہ کذاب نئے نئے روپ میں آرہاہے اور نبوت محمدی ﷺ کو چیلنج کررہاہے ....آج رسول ﷺ کے سرمایہ پر ڈاکہ ڈالا جارہا ہے........ آپ ﷺ کے قلعہ میں شگاف پیدا کئے جارہے ہیں........ آپ ﷺ کے دارالسلطنت پر حملہ کیاجارہاہے........ اگر آج امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہوتے تو میں یقین کرتاہو کہ شاید وہ ''فقہ کی تدوین'' بھی تھوڑی دیر کے لئے روک دیتے اور اس مسئلہ کی طرف توجہ کرتے........ آج تمہارے لئے کام کے دوسرے میدان ہیں .... آج تمہارے لئے الحاد سے پنجہ آزمائی کا موقعہ ہے .... تمہارے لئے دہریت، مادّیت سے آنکھیں ملانے کا موقع ہے........ یقین مانو اس سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وامام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روح نہیں، محمد عربی ﷺ کی روح خوش ہوگی۔''

(اقتباس از 'نبوت محمدی ﷺ پر الحاد ودہریت کا حملہ''، کتاب ''پاجاسراغِ زندگی'')

پا جا سراغِ زندگی

سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”آج کتنے بڑے بڑے فتنے ہیں جو اس وقت جہنم کے شعلوں کی مانند بھڑک رہے ہیں...... اور پورے پورے اسلامی ممالک کو جلا کر خاکستر کر دینا چاہتے ہیں...... جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی امیدوں پر پانی پھیرنا چاہتے ہیں...... آج قسم قسم کے اسلام سوز، ایمان سوز، اخلاق سوز، انسانیت سوز فتنے ابھر رہے ہیں ...... مادّیت، الحاد، قوم پرستی نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے آنکھیں ملانے کیلئے تیار ہے...... آج مسلیمہ کذاب نئے نئے روپ میں آ رہا ہے اور نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو چیلنج کر رہا ہے...... آج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سرمایہ پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلعہ میں شگاف پیدا کئے جا رہے ہیں...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دارالسلطنت پر حملہ کیا جا رہا ہے...... اگر آج امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہوتے تو میں یقین کرتا ہو کہ شاید وہ ”فقہ کی تدوین“ بھی تھوڑی دیر کے لئے روک دیتے اور اس مسئلہ کی طرف توجہ کرتے...... آج تمہارے لئے کام کے دوسرے میدان ہیں...... آج تمہارے لئے الحاد سے پنجہ آزمائی کا موقعہ ہے...... تمہارے لئے دہریت، مادّیت سے آنکھیں ملانے کا موقع ہے ...... یقین مانو اس سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ وامام احمد رحمہ اللہ کی روح نہیں، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح خوش ہوگی۔“

(اقتباس از ”نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر الحاد و دہریت کا حملہ“، کتاب ”پا جا سراغِ زندگی“)